ہمدردانہ سرمایہ کاری

28

ایماندار ذرائع سے کمائی

پس منظر کی معلومات

مکہ ایک ایسی بنیادی معاشرتی اقتصادی تبدیلی کا منظر تھا جو ساتویں صدی کے شروع میں عرب کے جزوی طور پر بدو معاشرے سے ایک شہری معاشرے میں منتقل ہوا تھا۔ اس سے صرف دو نسلیں قبل اہل مکہ نے عربی علاقوں میں سخت خانہ بدوشی کی زندگی بسر کی تھی۔ ہر دن بقا کے لئے ایک سنگین جدوجہد کرنا پڑتی تھی

چھٹی صدی کے آخری سالوں کے دوران مکہ والے تجارت میں بے حد کامیاب ہوگئے۔ کاروانوں پر قابو پانے کے نتیجے میں سرکردہ قبیلہ قریش ایک تجارتی طاقت بن گیا۔ قافلے کی تجارت عرب کے مغربی ساحل سے یمن تک، جنوب میں دمشق اور شمال میں غزہ تک پھیلی تھی۔ جنوب کی طرف تجارتی راستہ ایتھوپیا (حبشہ) تک جاری رہا اور مون سون ہواؤں کے بہاؤ سے بحری جہازوں کو ہندوستان لے جاتا رہا۔ شمال کی طرف مشرقی رومن سلطنت یا بازنطینی سلطنت مشرق بعید سے آنے والی مصنوعات کے لئے بے چین تھی۔ 610ء تک مکہ کے ذریعے تجارت بہت ہی منافع بخش ہوگئی اور مکہ کے لوگوں نے، خصوصی طور پر تجارتی معیشت کے ذریعہ اپنا معاش حاصل کیا۔ وہ اپنے جنگلی خوابوں سے بڑھ کر امیر تھے۔ مکہ کے عظیم تاجروں نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مسترد کر دیا جنہوں نے مشکوک کاروباری طریقوں پر تنقید کی تھی جس کو وہ کامیاب تجارتی عمل کے لئے ضروری سمجھتے تھے۔

مکمل ناپ اور تول دیں

اور ناپ پورا رکھا کرو جب (بھی) تم (کوئی چیز) ناپو اور (جب تولنے لگو تو) سیدھے ترازو سے تولا کرو، یہ (دیانت داری) بہتر ہے اور انجام کے اعتبار سے (بھی) خوب تر ہے 17:35

اور مدین کی طرف (ہم نے) ان کے (قومی) بھائی شعیب (علیہ السلام) کو (بھیجا) انہوں نے کہا: اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کیا کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، بیشک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے روشن دلیل آچکی ہے سو تم ماپ اور تول پورے کیا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں گھٹا کر نہ دیا کرو اور زمین میں اس (کے ماحولِ حیات) کی اصلاح کے بعد فساد بپا نہ کیا کرو، یہ تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم (اس الٰہی پیغام کو) ماننے والے ہو (7:85)

اور ناپ اور تول میں کمی مت کیا کرو بیشک میں تمہیں آسودہ حال دیکھتا ہوں اور میں تم پر ایسے دن کے عذاب کا خوف (محسوس) کرتا ہوں جو (تمہیں) گھیر لینے والا ہے، اور اے میری قوم! تم ناپ اور تول انصاف کے ساتھ پورے کیا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں گھٹا کر نہ دیا کرو اور فساد کرنے والے بن کر ملک میں تباہی مت مچاتے پھرو، جو اللہ کے دیئے میں بچ رہے (وہی) تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم ایمان والے ہو، اور میں تم پر نگہبان نہیں ہوں (11 :84-86)

تم پیمانہ پورا بھرا کرو اور (لوگوں کے حقوق کو) نقصان پہنچانے والے نہ بن اور سیدھی ترازو سے تولا کرو، اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم (تول کے ساتھ) مت دیا کرو اور ملک میں (ایسی اخلاقی، مالی اور سماجی خیانتوں کے ذریعے) فساد انگیزی مت کرتے پھرو، اور اس (اللہ) سے ڈرو جس نے تم کو اور پہلی امتوں کو پیدا فرمایا (26 :181-184)

اسلامی معاشیات کا ایک سب سے اہم اصول یہ ہے کہ کسی کو ایماندارانہ زندگی گزارنی چاہئے۔ قرآن مجید کے ساتھ ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات بھی اس بات پر زور دیتی ہیں کہ کسی کو بھی اپنے کاروبار اور مالیاتی لین دین میں ایماندار اور سچا ہونا چاہئے۔ جائز ذرائع سے حاصل کی گئی دولت کو اچھا محنت اور خدا کی خوشنودی کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ جب بھی کوئی مسلمان کھانے کا نوالہ اپنے منہ کی طرف لے کے جائے تو اسے اس سوال کا مثبت طور پر جواب دینا چاہئے۔ "کیا میں نے جو کچھ حاصل کیا ہے اس کا مستحق ہونے کے لئے میں نے انسانیت کی فلاح کے لئے کیا کیا ہے؟" اس کا مقصد غفلت میں سوئے ہوئے وہ شراکت دار ہیں جو معاشرے میں فلاح و بہبود کیے بغیر وراثت پر زندگی گذارتے ہیں۔ اسلام نے یہ اصول پیش کیا ہے کہ غیر کمایا گیا پیسہ کسی کا اپنا نہیں ہے۔

کاروبار اور تجارت قابل احترام پیشے سمجھے جاتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود کاروباری شخصیت تھے۔ مسلمان تاجروں نے اسلام کو جنوب مشرقی ایشیاء میں متعارف کرایا جو آج کل کا جدید ملائیشیا اور انڈونیشیا، جو دنیا کا سب سے بڑا مسلم ملک ہے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تجارت کو نئے عقیدے کو پھیلانے کے سب سے مؤثر اور عقیدہ مساوات کے طور پر دیکھا۔

اور پیمانے اور ترازو (یعنی ناپ اور تول) کو انصاف کے ساتھ پورا کیا کرو۔ ہم کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے (6 :152)

خدا یہ توقع نہیں کرتا ہے کہ مرد "ریاضیاتی" برابری کے ساتھ سلوک کریں- جس میں ملوث بہت سے ناد کھنے والے عوامل کو مد نظر رکھتے ہوئے انسان کے معاملات میں شاذ و نادر ہی کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ لیکن وہ توقع کرتا ہے کہ وہ اس مثالی حصول کے لئے اپنی پوری کوشش کرے گا۔ مذکورہ آیت کا مطلب "آپ کے تمام معاملات میں" ہے اور نہ کہ صرف تجارتی لین دین میں۔

مختصر پیمائش کرنا

سورج اور چاند (اسی کے) مقرّرہ حساب سے چل رہے ہیں, اور زمین پر پھیلنے والی بوٹیاں اور سب درخت (اسی کو) سجدہ کر رہے ہیں، اور اسی نے آسمان کو بلند کر رکھا ہے اور (اسی نے عدل کے لئے) ترازو قائم کر رکھی ہے، تاکہ تم تولنے میں بے اعتدالی نہ کرو اور انصاف کے ساتھ وزن کو ٹھیک رکھو اور تول کو کم نہ کرو (55 :5 -9)

دوسروں کا مال متاع کھا جانا

اور تم ایک دوسرے کے مال آپس میں ناحق نہ کھایا کرو اور نہ مال کو (بطورِ رشوت) حاکموں تک پہنچایا کرو کہ یوں لوگوں کے مال کا کچھ حصہ تم (بھی) ناجائز طریقے سے کھا سکو حالانکہ تمہارے علم میں ہو (کہ یہ گناہ ہے)، (2 :188)

مذکورہ بالا آیات مومنوں کو نصیحت کرتی ہیں کہ ٹھیک ٹھیک قانونی حکمت عملی کے ذریعہ ایک دوسرے کے مال کا لالچ نہ رکھیں اور نہ ہی ایسے مال کو حاصل کرنے کی کوشش کریں جس پر دوسروں کا حق ہے۔ دوسروں کے حقوق کو جھوٹے یا جعلی دعووں کے ذریعہ مت کھاؤ یہاں تک کہ اگر دوسرا شخص حالات کے دباؤ میں آکر ایسی محرومی یا استحصال پر راضی ہو جائے پھر بھی نہیں۔ اس حوالہ سے صرف تجارتی معاملات ہی مطلوب نہیں ہیں بلکہ معاشرتی تعلقات کا ہر پہلو بھی ہے، عملی اور اخلاقی ہر فرد کے حقوق اور ذمہ داریوں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے جو اس کے مادی سازوسامان سے کم نہیں ہے۔

بربادی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لئے, یہ لوگ جب (دوسرے) لوگوں سے ناپ لیتے ہیں تو (ان سے) پورا لیتے ہیں، اور جب انہیں (خود) ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو گھٹا کر دیتے ہیں، کیا یہ لوگ اس بات کا یقین نہیں رکھتے کہ وہ (مرنے کے بعد دوبارہ) اٹھائے جائیں گے، ایک بڑے سخت دن کے لئے، جس دن سب لوگ تمام جہانوں کے رب کے حضور کھڑے ہوں گے (83 :1 -6)

جہنم کی آگ سے دوچار

اے ایمان والو! تم ایک دوسرے کا مال آپس میں ناحق طریقے سے نہ کھاؤ سوائے اس کے کہ تمہاری باہمی رضامندی سے کوئی تجارت ہو، اور اپنی جانوں کو مت ہلاک کرو، بیشک اللہ تم پر مہربان ہے، اور جو کوئی تعدی اور ظلم سے ایسا کرے گا تو ہم عنقریب اسے (دوزخ کی) آگ میں ڈال دیں گے، اور یہ اللہ پر بالکل آسان ہے (4 :29 -30)

29

دولت، انسان کے کردار کی آزمائش کے طور پر

صرف مصیبت کے وقت خدا کا ذکر کرنا

پھر جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہمیں پکارتا ہے پھر جب ہم اسے اپنی طرف سے کوئی نعمت بخش دیتے ہیں تو کہنے لگتا ہے کہ یہ نعمت تو مجھے (میرے) علم و تدبیر (کی بنا) پر ملی ہے، بلکہ یہ آزمائش ہے مگر ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے، فی الواقع یہ (باتیں) وہ لوگ بھی کیا کرتے تھے جو اُن سے پہلے تھے، سو جو کچھ وہ کماتے رہے اُن کے کسی کام نہ آسکا، تو انہیں وہ برائیاں آپہنچیں جو انہوں نے کمار کھی تھیں، اور اُن لوگوں میں سے جو ظلم کر رہے ہیں انہیں (بھی) عنقریب وہ برائیاں آپہنچیں گی جو انہوں نے کمار کھی ہیں، اور وہ (اللہ کو) عاجز نہیں کر سکتے (39 :49-51)

بد قسمتی میں ناامیدی خوشحالی میں خوشی

جب ہم انسان کو اپنی بارگاہ سے رحمت (کا ذائقہ) چکھاتے ہیں تو وہ اس سے خوش ہو جاتا ہے اور اگر انہیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے اُن کے اپنے ہاتھوں سے آگے بھیجے ہوئے اعمالِ (بد) کے باعث، تو بیشک انسان بڑا ناشکر گزار (ثابت ہوتا) ہے (42:48)

مگر انسان (ایسا ہے) کہ جب اس کا رب اسے (راحت و آسائش دے کر) آزماتا ہے اور اسے عزت سے نوازتا ہے اور اسے نعمتیں بخشتا ہے تو وہ کہتا ہے: میرے رب نے مجھ پر کرم فرمایا، لیکن جب وہ اسے (تکلیف و مصیبت دے کر) آزماتا ہے اور اس پر اس کا رزق تنگ کرتا ہے تو وہ کہتا ہے: میرے رب نے مجھے ذلیل کر دیا (16-15 :89)

جب خدا انسان کو قدرے مادی فوائد عطا کرتا ہے تو وہ اکثر خدا کے فضل کو، اپنی قابلیت تصور کرتا ہے ہے اور اسے اپنی اہلیت اور ہوشیاری سے منسوب کرتا ہے۔ اس کامیابی میں وہ خوش رہتا ہے۔ اگر اسے کوئی بد بختی پہنچتی ہے تو اپنی ماضی کی خوشی کو شکر گذاری کے ساتھ یاد کرنے کی بجائے خدا کے وجود کو سوال میں ڈال دیتا ہے۔ وہ دولتمندی کی عدم موجودگی یا گمشدگی کو ایک آزمائش کے طور پر سمجھنے میں ناکام رہتا ہے لیکن اسے قدرت کی ناانصافی کے طور پر دیکھتا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر خدا کا وجود ہوتا تو وہ دنیا میں اتنی بد بختی اور ناخوشی کو غالب ہونے کی اجازت نہ دیتا جو انسانی احساسات اور توقعات کے لحاظ سے خدا کے تصور پر مبنی ایک نتیجہ ہے۔ یہ غلط دلیل آخرت کی حقیقت کو خاطر میں نہیں لیتی۔ بہت سارے لوگ بنیادی طور پر اس دنیا سے وابستہ زندگی کے افواہوں اور ان وعدوں کے بارے میں سنجیدگی سے سوچتے ہیں جو ان کے فوری فائدے میں ہیں۔

امیر اور غریب آدمی کی مثال

اور آپ ان سے ان دو شخصوں کی مثال بیان کریں جن میں سے ایک کے لئے ہم نے انگور کے دو باغات بنائے اور ہم نے ان دونوں کو تمام اَطراف سے کھجور کے درختوں کے ساتھ ڈھانپ دیا اور ہم نے ان کے درمیان (سرسبز و شاداب) کھیتیاں اگا دیں، یہ دونوں باغ (کثرت سے) اپنے پھل لائے اور ان کی (پیداوار) میں کوئی کمی نہ رہی اور ہم نے ان دونوں (میں سے ہر ایک) کے درمیان ایک نہر (بھی) جاری کر دی، اور اس شخص کے پاس (اس کے سوا بھی) بہت سے پھل (یعنی وسائل) تھے، تو اس نے اپنے ساتھی سے کہا اور وہ اس سے تبادلہ خیال کر رہا تھا کہ میں تجھ سے مال و دولت میں کہیں زیادہ ہوں اور قبیلہ و خاندان کے لحاظ سے (بھی) زیادہ باعزت ہوں، اور وہ (اسے لے کر) اپنے باغ میں داخل ہوا (تکبّر کی صورت میں) اپنی جان پر ظلم کرتے ہوئے کہنے لگا: میں یہ گمان (ہی) نہیں کرتا کہ یہ باغ تباہ ہو گا، اور نہ ہی یہ گمان کرتا ہوں کہ قیامت قائم ہو گی اور اگر (بالفرض) میں اپنے رب کی طرف لوٹایا بھی گیا تو بھی یقیناً میں ان باغات سے بہتر پلٹنے کی جگہ پاؤں گا (18 :32-36)

اس کے ساتھی نے اس سے کہا اور وہ اس سے تبادلہء خیال کر رہا تھا: کیا تو نے اس (رب) کا انکار کیا ہے جس نے تجھے (اوّلاً) مٹی سے پیدا کیا پھر ایک تولیدی قطرہ سے پھر تجھے (جسمانی طور پر) پورا مرد بنا دیا؟ لیکن میں (تو یہ کہتا ہوں) کہ وہی اللہ میرا رب ہے اور میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں گردانتا (18 :37-38)

اور جب تو اپنے باغ میں داخل ہوا تو تو نے کیوں نہیں کہا: "ماشاء اللہ لا قوۃ اِلا باللہ" (وہی ہونا ہے جو اللہ چاہے کسی کو کچھ طاقت نہیں مگر اللہ کی مدد سے)، اگر تو (اِس وقت) مجھے مال و اولاد میں اپنے سے کم تر دیکھتا ہے (تو کیا ہوا)، کچھ بعید نہیں کہ میرا رب مجھے تیرے باغ سے بہتر عطا فرمائے اور اس (باغ) پر آسمان سے کوئی عذاب بھیج دے پھر وہ چٹیل چکنی زمین بن جائے، یا اس کا پانی زمین کی گہرائی میں چلا جائے پھر تو اسے حاصل کرنے کی طاقت بھی نہ پا سکے (18 :39-41)

اور (اس تکبّر کے باعث) اس کے (سارے) پھل (تباہی میں) گھیر لئے گئے تو صبح کو وہ اس پونجی پر جو اس نے اس (باغ کے لگانے) میں خرچ کی تھی کفِ افسوس ملتا رہ گیا اور وہ باغ اپنے چھپروں پر گرا پڑا تھا اور وہ (سراپا حسرت و یاس بن کر) کہہ رہا تھا: ہائے کاش! میں نے اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا ہوتا (اور اپنے اوپر گھمنڈ نہ کیا ہوتا)، اور اس کے لئے کوئی گروہ (بھی) ایسا نہ تھا جو اللہ کے مقابلہ میں اس کی مدد کرتے اور نہ وہ خود (ہی اس تباہی کا) بدلہ لینے کے قابل تھا، یہاں (پتہ چلتا ہے) کہ سب اختیار اللہ ہی کا ہے (جو) حق ہے، وہی بہتر ہے انعام دینے میں اور وہی بہتر ہے انجام کرنے میں (18 :42-44)

راستباز بھی دولت کی بدعنوانی کے اثر و رسوخ کا شکار ہیں

اور اگر اللہ اپنے تمام بندوں کے لئے روزی کشادہ فرمادے تو وہ ضرور زمین میں سرکشی کرنے لگیں لیکن وہ (ضروریات کے) اندازے کے ساتھ جتنی چاہتا ہے اتارتا ہے، بیشک وہ اپنے بندوں (کی ضرورتوں) سے خبردار ہے خوب دیکھنے والا ہے، اور وہ ہی ہے جو بارش برساتا ہے اُن کے مایوس ہو جانے کے بعد اور اپنی رحمت پھیلا دیتا ہے، اور وہ کارساز بڑی تعریفوں کے لائق ہے (42 :27-28)

اور اگر یہ نہ ہوتا کہ سب لوگ (کفر پر جمع ہو کر) ایک ہی ملّت بن جائیں گے تو ہم (خدائے) رحمان کے ساتھ کفر کرنے والے تمام لوگوں کے گھروں کی چھتیں (بھی) چاندی کی کر دیتے اور سیڑھیاں (بھی) جن پر وہ چڑھتے (43:33)

بعض اوقات جب انسان کو بڑی دولت کے امکانات کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو وہ روحانی اور اخلاقی نظریات سے محروم ہو جاتا ہے۔ راتوں رات امیری، تکبر اور جھوٹے فخر کا باعث بن سکتی ہے اور یہاں تک کہ نیک آدمی بھی بالکل خود غرض لالچی اور بے رحم ہو سکتا ہے۔ وہ خود کفیل ہونے کے گستاخانہ نظریہ کو بہلاتے ہیں (جو توہین آمیز ہے کیونکہ صرف خدا ہی خود کفیل ہے) اور خدا کے فضل سے حاصل ہونے والے احسانات کا شکر کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ لہذا خدا تمام نیک بندوں پر کثرت دولت نہیں کرتا کیونکہ ضرورت سے زیادہ دولت بعض کو گستاخی کا باعث بننے پر مجبور کر سکتی ہے۔ زندگی سے جڑی بارش کی علامت کا حوالہ اس سابقہ بیان کے ساتھ جوڑا جا سکتا ہے کہ "وہ اپنے فضل سے جس طرح چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔" قرآن نے بار بار زور دیا ہے کہ خدا کی طرف سے راستبازوں اور بدکرداروں کو جواب اس کے بعد آنے والی زندگی میں واضح ہو جائے گا اور ضروری نہیں کہ اس دنیا میں جو انسان کے وجود کا صرف پہلا مختصر مرحلہ ہے۔

بدقسمتی اور خوشحالی کے دوران اعتدال کے ساتھ عمل کریں

کوئی بھی مصیبت نہ تو زمین میں پہنچتی ہے اور نہ تمہاری زندگیوں میں مگر وہ ایک کتاب میں (یعنی لوحِ محفوظ میں جو اللہ کے علمِ قدیم کا مرتبہ ہے) اس سے قبل کہ ہم اسے پیدا کریں (موجود) ہوتی ہے، بیشک یہ (علمِ محیط و کامل) اللہ پر بہت ہی آسان ہے، تاکہ تم اس چیز پر غم نہ کرو جو تمہارے ہاتھ سے جاتی رہی اور اس چیز پر نہ اِترا ؤ جو اس نے تمہیں عطا کی، اور اللہ کسی تکبّر کرنے والے، فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا، جو لوگ (خود بھی) بخل کرتے ہیں اور (دوسرے) لوگوں کو (بھی) بخل کی تلقین کرتے ہیں، اور جو شخص (احکامِ الٰہی سے) رُوگردانی کرتا ہے تو بیشک اللہ (بھی) بے پرواہ ہے بڑا قابلِ حمد و ستائش ہے (57 :22-24)

اور (اے مسلمانو!) اسی طرح ہم نے تمہیں (اعتدال والی) بہتر امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور (ہمارا یہ برگزیدہ) رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تم پر گواہ ہو (2 :143)

یہ خدا ہی ہے جو کسی بھی چیز کا حکم دیتا ہے اور اسے وجود میں لاتا ہے چاہے یہ فطری ہو یا انسانی تباہی ہو اور بیماری اخلاقی یا مادی محرومی یا دیگر بدقسمتیوں سے دوچار شخص کے لئے۔ یہ جاننا کہ جو کچھ بھی ہوا وہ ہونا ہی تھا کیوں کہ خدا نے اس کو ناقابل تسخیر منصوبے کے مطابق اس کو لکھ رکھا تھا اس کے لئے ایک سچے مومن کو اس قابل ہونا چاہئے کہ جو بھی اچھائی یا بیماری آتی ہے، وہ اس کے بارے میں شعوری طور پر سوچ بچار کرے۔ نیک زندگی گزارنے

کے سنہری اصولوں میں سے ایک، اعتدال پسند زندگی کی روش ہے۔ خدا ان لوگوں سے پیار نہیں کرتا جو اپنی خوش قسمتی کو اپنی خوبی یا قسمت سے منسوب کرتے ہیں اور یہ تسلیم نہیں کرنا چاہتے کہ جو کچھ ہوا ہے وہ خدا نے چاہا تھا۔

30

صدقہ وخیرات

دواہم مطالبات: خدا کی وحدانیت اور خیرات

میری طرف یہ وحی بھیجی گئی ہے کہ تمہارا معبود فقط معبودِ یکتا ہے، پس تم اسی کی طرف سیدھے متوجہ رہو اور اس سے مغفرت چاہو، اور مشرکوں کے لئے ہلاکت ہے، جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتے اور وہی تو آخرت کے بھی منکر ہیں، بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اُن کے لئے ایسا اجر ہے جو کبھی ختم نہیں ہو گا(41 :6-8)

خدا کی وحدانیت پر یقین اور اپنے ساتھی انسانوں کے لئے خیرات کرنا اسلام کے دو اہم مطالبات ہیں۔ ان دونوں مطالبات میں سے جان بوجھ کر کسی ایک کی بھی خلاف ورزی، اللہ کے سامنے انسانیت کی ذمہ داری سے انکاری کے مترادف ہے۔ قرآن مومنوں کو یاد دلاتا ہے کہ خدا پر ان کا ایمان مکمل نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ ان کو اپنے ہم وطنوں کی مادی ضروریات سے آگاہ نہ کرے۔

سچی تقویٰ اور خیرات

تم ہر گز نیکی کو نہیں پہنچ سکو گے جب تک تم (اللہ کی راہ میں) اپنی محبوب چیزوں میں سے خرچ نہ کرو، اور تم جو کچھ بھی خرچ کرتے ہو بیشک اللہ اسے خوب جاننے والا ہے(3:92)

بلکہ اصل نیکی تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور (اللہ کی) کتاب پر اور پیغمبروں پر ایمان لائے، اور اللہ کی محبت میں (اپنا) مال قرابت داروں پر اور یتیموں پر اور محتاجوں پر اور مسافروں پر اور مانگنے والوں پر اور (غلاموں کی) گردنوں (کو آزاد کرانے) میں خرچ کرے (177: 2)

خدا دولت کا منبع ہے۔ انسان صرف امانت دار ہے

اور وہی ہے جس نے برداشتہ اور غیر برداشتہ (یعنی بیلوں کے ذریعے اوپر چڑھائے گئے اور بغیر اوپر چڑھائے گئے) باغات پیدا فرمائے اور کھجور (کے درخت) اور زراعت جس کے پھل گوناگوں ہیں اور زیتون اور انار (جو شکل میں) ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں اور (ذائقہ میں) جداگانہ ہیں (بھی

پیدا کئے)۔ جب (یہ درخت) پھل لائیں تو تم ان کے پھل کھایا (بھی) کرو اور اس (کھیتی اور پھل) کے کٹنے کے دن اس کا (اللہ کی طرف سے مقرر کردہ) حق (بھی) ادا کر دیا کرو اور فضول خرچی نہ کیا کرو، بیشک وہ بے جا خرچ کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا (6 :141)

زمین اور آسمان کی ہر چیز کا وجود صرف اور صرف اللہ کی قدرت ہے۔ اس آیت میں باغات کا کثرت سے ذکر اس نظریہ کی عکاسی کرتا ہے کہ ہر زندہ اور بڑھنے والی چیز خدا کی ہے۔ یہ مکہ کے نئے امیر تاجروں اور قرآن کے پیروکاروں کے لئے ایک یاد دہانی تھی کہ جو دولت انہوں نے حاصل کی ہے وہ خدا کی ہے جس کے لئے انہیں خدا کی طرف سے حاصل ہونے والی نعمتوں کا شکر گزار ہونا چاہئے۔ انسان کو صرف اس کا عارضی استعمال اور زندگی میں اچھی چیزوں سے لطف اندوز ہونے کی اجازت ہے۔ جو کچھ انسان اپنی مختصر زندگی میں کماتا ہے اور رکھتا ہے وہ خدا کے فضل سے ہے۔ سمجھدار، امانت دار ہونے کے ناطے آدمی کو خدا کا فضل ضائع نہیں کرنا چاہئے۔

کچھ پر کثرت اور دوسروں پر قلت

وہی آسمانوں اور زمین کی کُنجیوں کا مالک ہے (یعنی جس کے لئے وہ چاہے خزانے کھول دیتا ہے) وہ جس کے لئے چاہتا ہے رِزق وعطا کشادہ فرما دیتا ہے اور (جس کے لئے چاہتا ہے) تنگ کر دیتا ہے (42:12)

اور کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ جس کے لئے چاہتا ہے رزق کشادہ فرما دیتا ہے اور (جس کے لئے چاہتا ہے) تنگ کر دیتا ہے، بے شک اس میں ایمان رکھنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں (39:52)

ہم ہر ایک کی مدد کرتے ہیں ان (طالبانِ دنیا) کی بھی اور ان (طالبانِ آخرت) کی بھی (اے حبیبِ مکرّم! یہ سب کچھ) آپ کے رب کی عطا سے ہے، اور آپ کے رب کی عطا (کسی کے لئے) ممنوع اور بند نہیں ہے, دیکھئے ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر کس طرح فضیلت دے رکھی ہے، اور یقیناً آخرت (دنیا کے مقابلہ میں) درجات کے لحاظ سے (بھی) بہت بڑی ہے اور فضیلت کے لحاظ سے (بھی) بہت بڑی ہے (17 :20- 21)

بیشک آپ کا رب جس کے لئے چاہتا ہے رزق کشادہ فرما دیتا ہے اور (جس کے لئے چاہتا ہے) تنگ کر دیتا ہے، بیشک وہ اپنے بندوں (کے اعمال و احوال) کی خوب خبر رکھنے والا خوب دیکھنے والا ہے (17:30)

حسد ایک ایسا احساس ہے جو قابل داد تعریف اور ایک ایسی چیز حاصل کرنے کی خواہش کا نام ہے جو کسی اور کے پاس ہو۔ لالچ ایک ایسی چیز کے مالک ہونے کی حسد ہے جو کسی اور کی ہو۔ مذکورہ بالا آیات مومنین کو نصیحت کرتی ہیں کہ ایک دوسرے کے مال سے حسد نہ کریں۔ دولت یا اس کی کمی انسانوں کے لئے بھی آزمائش ہے۔ مذکورہ بالا حکم امتیازی طور پر حسد کی مذمت کرتا ہے اس اظہار کو "بہت سارے دوسرے" کے طور پر پیش کرتا ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ خدا کسی شخص کو عطا کرتا ہے وہ خدائی حکمت کا نتیجہ ہے اور اس شخص کے لئے واقعی مناسب ہے۔ اس جملے کو آنے والی زندگی اور روحانی رزق کے حوالے سے بھی سمجھا جا سکتا ہے جو خدا نیک لوگوں کو عطا کرتا ہے۔

امیروں کو چاہیے کہ وہ غریبوں کو دیں

[غریبوں] کو اس (کھیتی اور پھل) کے کٹنے کے دن اس کا (اللہ کی طرف سے مقرر کردہ) حق (بھی) ادا کر دیا کرو(6 :141)

اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایمان لاؤ اور اس (مال و دولت) میں سے خرچ کرو جس میں اس نے تمہیں اپنا نائب (و امین) بنایا ہے، پس تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے خرچ کیا اُن کے لئے بہت بڑا اَجر ہے(57 :7)

مسلم معاشیات کا ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ لوگوں کی دولت کو وسیع پیمانے پر بانٹنا چاہئے۔ معاشرے کی صحت کا تقاضا ہے کہ مادی سامان کو وسیع پیمانے پر تقسیم کیا جائے اور دولت آسانی سے گردش میں ہو۔ قرآن مطالبہ کرتا ہے کہ مسلمان معاشرتی انصاف کی راہ پر گامزن ہوں جس کی جڑیں یہ سمجھی جاتی ہیں کہ زمین بالآخر خدا کی ہے اور انسان ہی اس کا نگہبان ہے۔ اس لئے مادی انعامات، برادری کے دوسرے لوگوں کی طرف معاشرتی ذمہ داری کے تابع ہیں۔

دینے کا حتمی انعام

اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے حالانکہ آسمانوں اور زمین کی ساری ملکیت اللہ ہی کی ہے (تم تو فقط اس مالک کے نائب ہو)، تم میں سے جن لوگوں نے فتحِ (مکّہ) سے پہلے (اللہ کی راہ میں اپنا مال) خرچ کیا اور قتال کیا وہ (اور تم) برابر نہیں ہو سکتے، وہ اُن لوگوں سے درجہ میں بہت بلند ہیں جنہوں نے بعد میں مال خرچ کیا ہے اور قتال کیا ہے، مگر اللہ نے حسنِ آخرت (یعنی جنت) کا وعدہ سب سے فرما دیا ہے، اور اللہ جو کچھ تم کرتے ہو اُن سے خوب آگاہ ہے، کون شخص ہے جو اللہ کو قرضِ حسنہ کے طور پر قرض دے تو وہ اس کے لئے اُس (قرض) کو کئی گنا بڑھاتا رہے اور اس کے لئے بڑی عظمت والا اجر ہے، (اے حبیب!) جس دن آپ (اپنی امّت کے) مومن مَردوں اور مومن عورتوں کو دیکھیں گے کہ اُن کا نور اُن کے آگے اور اُن کی دائیں جانب تیزی سے چل رہا ہو گا (اور اُن سے کہا جائے گا:) تمہیں بشارت ہو آج (تمہارے لئے) جنتیں ہیں جن کے نیچے سے نہریں رواں ہیں (تم) ہمیشہ ان میں رہو گے، یہی بہت بڑی کامیابی ہے(57 :10-12)

اور نہ تمہارے مال اس قابل ہیں اور نہ تمہاری اولاد کہ تمہیں ہمارے حضور قرب اور نزدیکی دلا سکیں مگر جو ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کئے، پس ایسے ہی لوگوں کے لئے دوگنا اجر ہے ان کے عمل کے بدلے میں اور وہ (جنت کے) بالاخانوں میں امن و امان سے ہوں گے، اور جو لوگ ہماری آیتوں میں (مخالفانہ) کوشش کرتے ہیں (ہمیں) عاجز کرنے کے گمان میں، وہی لوگ عذاب میں حاضر کئے جائیں گے، فرما دیجئے: بیشک میرا رب اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہتا ہے رِزق کشادہ فرما دیتا ہے اور جس کے لئے (چاہتا ہے) تنگ کر دیتا ہے، اور تم (اللہ کی راہ میں) جو کچھ بھی خرچ کرو گے تو وہ اس کے بدلہ میں اور دے گا اور وہ سب سے بہتر رِزق دینے والا ہے(34 :37-39)

دولت کی تقسیم میں عدم مساوات ہر معاشرے میں زندگی کی حقیقت ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس صورتحال کے بارے میں کیا کرنا چاہئے؟ اسلامی جواب آسان ہے: جن کے پاس بہت کچھ ہے ان کو چاہئے کہ وہ جو غریب ہیں ان کا بوجھ اٹھانے میں مدد کریں۔ یہ ایک اصول ہے جو اکیسویں صدی کی

جمہوریت نے فلاحی ریاست کے اپنے تصور میں اپنایا ہے۔ مردوں کو ذاتی مفادات کے جبر کے تحت ڈھونڈتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے اقدامات کی حمایت کی جن سے معاشی ترقی کی راہ میں حائل رکاوٹیں ختم ہوئیں اور خصوصی مراعات کی ناانصافیوں کو بے حد کم کیا گیا۔

مختصر خوشی یا ابدی خوشی

اور اگر یہ نہ ہوتا کہ سب لوگ (کفر پر جمع ہو کر) ایک ہی ملّت بن جائیں گے تو ہم (خدائے) رحمان کے ساتھ کفر کرنے والے تمام لوگوں کے گھروں کی چھتیں (بھی) چاندی کی کر دیتے اور سیڑھیاں (بھی) جن پر وہ چڑھتے ہیں، اور (اسی طرح) اُن کے گھروں کے دروازے (بھی چاندی کے کر دیتے) اور تخت (بھی) جن پر وہ مسند لگاتے ہیں، اور (چاندی کے اوپر) سونے اور جواہرات کی آرائش بھی (کر دیتے)، اور یہ سب کچھ دنیوی زندگی کی عارضی اور حقیر متاع ہے، اور آخرت (کا حُسن و زیبائش) آپ کے رب کے پاس ہے (جو) صرف پرہیزگاروں کے لئے ہے(43 :33 -35)

اور اللہ ہدایت یافتہ لوگوں کی ہدایت میں مزید اضافہ فرماتا ہے، اور باقی رہنے والے نیک اعمال آپ کے رب کے نزدیک اجر و ثواب میں (بھی) بہتر ہیں اور انجام میں (بھی) خوب تر ہیں،(19:76)

زکوٰۃ

اسلام کا تیسرا ستون زکوٰۃ ہے۔ دولت کی تقسیم کا قرآنی طریقہ لازمی اور رضاکارانہ، دونوں ہیں۔ زکوٰۃ ایک لازمی صدقہ ہے۔ اس کے دو مقاصد ہیں۔ اول اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی مسلمان کے مال کو لالچ اور خود غرضی کے داغ سے پاک کرنا ہے۔ دوسرا اس ٹیکس کی آمدنی کو اس میں استعمال کیا جاتا ہے جس میں قرآن "خدا کی وجہ" یا معاشرے کی فلاح و بہبود کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ساتویں صدی میں دولت کو تقسیم کرنے کا آغاز کیا جس میں امیروں سے زکوٰۃ لے کر غریبوں میں دی جاتی تھی۔ جب بھی زکوٰۃ کی اصطلاح مذکورہ بالا شرائط پر مشتمل ہو تو اس کا ترجمہ "پاک کرنے والے صدقات" کے طور پر ہوتا ہے۔ جب یہ اصطلاح بنی اسرائیل کے حوالے سے استعمال ہوتی ہے تو اس کا مطلب صرف غریبوں کے لئے خیرات کا کام ہوتا ہے اور اس کا ترجمہ "خیرات" یا "صدقہ" کے طور پر کرنا زیادہ مناسب ہو گا۔ مسلمان کسی غریب خاندان یتیموں بیوہ خواتین اور دیگر افراد کی براہ راست مدد کر سکتے ہیں۔ کچھ اسلامی ممالک میں حکومت زکوٰۃ جمع کرتی ہے اور اسے غریبوں اور مستحقوں میں بانٹ دیتی ہے۔

صدقہ

رضاکارانہ طور پر صدقہ دینے کے لیے مسلمانوں کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے یہاں صدقہ (کثرت) کی اصطلاح کو "خدا کی خاطر پیش کردہ نذرانہ" کے طور پر پیش کیا گیا ہے کیونکہ اس اصطلاح کے لئے انگریزی میں مختص کردہ ٹرم نہیں ہے۔ اس میں وہ سب کچھ شامل ہے جو ایک مومن آزادانہ طور پر کسی دوسرے شخص کو پیار یا شفقت کسی بھی خیراتی تحفہ سے واجب الادا ٹیکس یا زکوٰۃ سے ہٹ کر دیتا ہے۔ دولت کی رضاکارانہ تقسیم اسلام میں عمل

آزادی کے عام تصور کے مطابق ہے۔ زکوۃ اور صدقات دونوں صرف غربت کے خاتمے کے لئے سختی سے استعمال کی جاتی ہیں اور کسی اور مقصد کے لئے استعمال نہیں ہو سکتی ہے۔

31

غریبوں کی مدد سے انکار کرنا

خدا سے کہو بھوکوں کو کھلائے

اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ تم اس میں سے (راہِ خدا میں) خرچ کرو جو تمہیں اللہ نے عطا کیا ہے تو کافر لوگ ایمان والوں سے کہتے ہیں: کیا ہم اس (غریب) شخص کو کھلائیں جسے اگر اللہ چاہتا تو (خود ہی) کھلا دیتا۔ تم تو کھلی گمراہی میں ہی (مبتلا) ہو گئے ہو، (36:47)

بیشک اللہ اس شخص کو پسند نہیں کرتا جو تکبّر کرنے والا (مغرور) فخر کرنے والا (خود بین) ہو, جو لوگ (خود بھی) بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو (بھی) بخل کا حکم دیتے ہیں اور اس (نعمت) کو چھپاتے ہیں جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے عطا کی ہے، اور ہم نے کافروں کے لئے ذلت انگیز عذاب تیار کر رکھا ہے (37-36: 4)

مال ان کی گردن کے گرد لٹکا ہوا ہو گا

اور جو لوگ اس (مال و دولت) میں سے دینے میں بخل کرتے ہیں جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے عطا کیا ہے وہ ہرگز اس بخل کو اپنے حق میں بہتر خیال نہ کریں، بلکہ یہ ان کے حق میں برا ہے، عنقریب روزِ قیامت انہیں (گلے میں) اس مال کا طوق پہنایا جائے گا جس میں وہ بخل کرتے رہے ہوں گے، اور اللہ ہی آسمانوں اور زمین کا وارث ہے (یعنی جیسے اب مالک ہے ایسے ہی تمہارے سب کے مر جانے کے بعد بھی وہی مالک رہے گا)، اور اللہ تمہارے سب کاموں سے آگاہ ہے، (180: 3)

یہ کچھ کافروں کی طرز زندگی کی طرف اشارہ ہے جن کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ ان کو مادی چیزوں سے انتہائی لگاؤ ہے۔ مادیت پرستی کسی ایسی چیز پر یقین کے فقدان پر مبنی ہے جو زندگی کے عملی مسائل سے ماورا ہو۔

کنجوس کے لئے بھڑکتی ہوئی آگ

اور جس نے بخل کیا اور (راہِ حق میں مال خرچ کرنے سے) بے پروا رہا، اور اس نے (یوں) اچھائی (یعنی دینِ حق اور آخرت) کو جھٹلایا، تو ہم عنقریب اسے سختی (یعنی عذاب کی طرف بڑھنے) کے لئے سہولت فراہم کر دیں گے (تاکہ وہ تیزی سے مستحقِ عذاب ٹھہرے)، اور اس کا مال اس کے کسی کام

نہیں آئے گا جب وہ ہلاکت (کے گڑھے) میں گرے گا، سو میں نے تمہیں (دوزخ کی) آگ سے ڈرا دیا ہے جو بھڑک رہی ہے، جس میں انتہائی بدبخت کے سوا کوئی داخل نہیں ہو گا، جس نے (دینِ حق کو) جھٹلایا اور (رسول کی اطاعت سے) منہ پھیر لیا،(92 :8-1411-16)

اہم کاروباری افراد دولت مند بیوپاری بن چکے تھے اور انہوں نے اپنے لئے سب سے زیادہ منافع کمانے کا سوچا۔ وہ سرمایہ جس کے ذریعے انہوں نے کام کیا اس قبیلے کی مشترکہ ملکیت تھی لیکن وہ آسانی سے اسے بھول گئے۔ وفاداری بہادری اور قیادت جیسی قدیم قبائلی اقدار پر سرمایہ داری کے بادل چھا گئے جس میں کوئی اخلاقی اقدار نہ تھیں۔ مکہ میں مادی خوشحالی کی وجہ سے دولت اور طاقت کی ضرورت سے زیادہ تشخیص ہوئی اور یہ خیال پیدا ہوا کہ انسان خود کفیل ہے۔ (توہین مذہب کیونکہ صرف خدا خود کفیل ہے)۔

سورہ الماعون(107(

کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جو دین کو جھٹلاتا ہے، تو یہ وہ شخص ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے (یعنی یتیموں کی حاجات کو ردّ کرتا اور انہیں حق سے محروم رکھتا ہے)، اور محتاج کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا (یعنی معاشرے سے غریبوں اور محتاجوں کے معاشی اِستحصال کے خاتمے کی کوشش نہیں کرتا)، پس افسوس (اور خرابی) ہے ان نمازیوں کے لئے، جو اپنی نماز (کی روح) سے بے خبر ہیں (یعنی انہیں محض حقوق اللہ یاد ہیں حقوق العباد بھلا بیٹھے ہیں)، وہ لوگ (عبادت میں) دکھلاوا کرتے ہیں (کیونکہ وہ خالق کی رسمی بندگی بجالاتے ہیں اور پسی ہوئی مخلوق سے بے پرواہی برت رہے ہیں)، اور وہ برتنے کی معمولی سی چیز بھی مانگے نہیں دیتے،(107 :1-7)

اس سورت کا نام آخری لفظ میں الماعون سے ماخوذ ہے۔ لفظ الماعون اصطلاح میں روزمرہ کے استعمال کے لئے درکار بہت سی چھوٹی چھوٹی اشیاء کا نام ہے اور ساتھ ہی کبھی کبھار احسن سلوک پر مشتمل ہے جو اپنے ساتھیوں کو اس طرح کی چیزوں سے مدد فراہم کرتا ہے۔ اس کے وسیع معنوں میں یہ کسی بھی مشکل میں امداد یا مدد کا اشارہ کرتا ہے۔ مکہ کے خوشحال سوداگروں نے اپنی دولت غریبوں میں بانٹنے سے انکار کر دیا۔ قبیلے کے کمزور ممبروں کی دیکھ بھال کرنے کے بجائے خانہ بدوش کے ضابطے کے مطابق قریش اب قبیلے کے زیادہ کمزور افراد کا استحصال کر کے رقم کمانے کا ارادہ کر رہے تھے۔ بڑے تاجر غریبوں یا بد قسمتوں کی مدد کے لئے اپنی دولت کو استعمال کرنے پر راضی نہیں تھے اور بدگمان اور خود غرضی کے شکار تھے۔

آباد گار دولت مند لوگوں اور غریب خانہ بدوشوں کے مابین ایک وسیع و عریض فرق تھا۔

اچھی اور خراب فصل کی مثال

بے شک ہم ان (اہلِ مکہ) کی (اُسی طرح) آزمائش کریں گے جس طرح ہم نے (یمن کے) ان باغ والوں کو آزمایا تھا جب انہوں نے قَسم کھائی تھی کہ ہم صبح سویرے یقیناً اس کے پھل توڑ لیں گے، اور انہوں نے (اِن شاء اللہ کہہ کر یا غریبوں کے حصہ کا) اِستثناء نہ کیا، پس آپ کے رب کی جانب سے ایک پھرنے والا (عذاب رات ہی رات میں) اس (باغ) پر پھر گیا اور وہ سوتے ہی رہے، سو وہ (لہلہاتا پھلوں سے لدا ہوا باغ) صبح کو کٹی ہوئی کھیتی کی

طرح ہو گیا، پھر صبح ہوتے ہی وہ ایک دوسرے کو پکارنے لگے، کہ اپنی کھیتی پر سویرے سویرے چلے چلو اگر تم پھل توڑنا چاہتے ہو، سو وہ لوگ چل پڑے اور وہ آپس میں چپکے چپکے کہتے جاتے تھے، کہ آج اس باغ میں تمہارے پاس ہر گز کوئی محتاج نہ آنے پائے(68 :17-24)

ہم کچھ گنہگاروں کو ان کے اخلاقی اقدار کے تناسب سے مالا مال کر کے ان کو آزماتے ہیں۔ باغ کے مالکان نے "اگر خدا نے چاہا تو بغیر کسی رکاوٹ کے" اپنے پھل کی کٹائی کے مقصد کے بارے میں فیصلہ کیا۔ یہ اس تمثیل سے اخذ کیے جانے والے پہلے اسباق کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ جب تک خدا تعالیٰ نہ چاہے کچھ نہیں ہو سکتا۔ انہوں نے غریبوں کے لئے بھی کوئی بندوبست نہیں کیا۔ جب سے بائبل کے زمانے سے یہ سمجھا گیا ہے کہ زیادہ خوش قسمت مردوں کی ملکیت والے کھیتوں اور باغات کی کٹائی میں غریبوں کا حصہ ہے **(دیکھیں 141:6۔ "اور اس (کھیتی اور پھل) کے کٹنے کے دن اس کا (اللہ کی طرف سے مقرر کردہ) حق (بھی) ادا کر دیا کرو")**. باغ کے مالکان کا غریبوں کو اس حق سے محروم کرنے کا عزم دوسری قسم کا معاشرتی گناہ ہے جس کی طرف مذکورہ بالا تمثیل بیان کرتا ہے۔

اور وہ صبح سویرے (پھل کاٹنے اور غریبوں کو اُن کے حصہ سے محروم کرنے کے) منصوبے پر قادِر بنتے ہوئے چل پڑے، پھر جب انہوں نے اس (ویران باغ) کو دیکھا تو کہنے لگے: ہم یقیناً راستہ بھول گئے ہیں (یہ ہمارا باغ نہیں ہے)، (جب غور سے دیکھا تو پکار اٹھے: نہیں نہیں،) بلکہ ہم تو محروم ہو گئے ہیں، ان کے ایک عدل پسند زِیرک شخص نے کہا: کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم (اللہ کا) ذِکر و تسبیح کیوں نہیں کرتے، (تب) وہ کہنے لگے کہ ہمارا رب پاک ہے، بے شک ہم ہی ظالم تھے، سو وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر باہم ملامت کرنے لگے، کہنے لگے: ہائے ہماری شامت! بے شک ہم ہی سرکش و باغی تھے، امید ہے ہمارا رب ہمیں اس کے بدلہ میں اس سے بہتر دے گا، بے شک ہم اپنے رب کی طرف رجوع کرتے ہیں، عذاب اسی طرح ہوتا ہے، اور واقعی آخرت کا عذاب (اِس سے) کہیں بڑھ کر ہے، کاش! وہ لوگ جانتے ہوتے، بے شک پرہیز گاروں کے لئے ان کے رب کے پاس نعمتوں والے باغات ہیں، کیا ہم فرمانبرداروں کو مجرموں کی طرح (محروم) کر دیں گے(25:68-35)

قرآنی وحی کی تاریخ میں "جنہوں نے اپنے آپ کو خدا کے حوالے کر دیا" یہ اصطلاح مسلمانوں کی ابتدائی تاریخ ہے۔ اس کام کے دوران اصطلاحات 'مسلم' اور 'اسلام' کو ان کے اصلی مفہوم کے مطابق استعمال کیا جاتا ہے یعنی "جو شخص ہتھیار ڈال دیتا ہے یا خدا کے سامنے خود سپردگی کرتا ہے یا انسان نے خدا کے سامنے خود سپردگی کر دی ہے۔" قرآن مجید میں جہاں بھی لفظ 'اسلمہ' استعمال ہوا ہے اس کا یہی مطلب ہے

32

کسی بھی قیمت پر دولت جمع کرنا

"التکاثر"

تمہیں کثرتِ مال کی ہوس اور فخر نے (آخرت سے) غافل کر دیا، یہاں تک کہ تم قبروں میں جا پہنچے، ہر گز نہیں! (مال و دولت تمہارے کام نہیں آئیں گے) تم عنقریب (اس حقیقت کو) جان لو گے، پھر (آگاہ کیا جاتا ہے:) ہر گز نہیں! عنقریب تمہیں (اپنا انجام) معلوم ہو جائے گا، ہاں ہاں! کاش تم (مال و زَر کی ہوس اور اپنی غفلت کے انجام کو) یقینی علم کے ساتھ جانتے (تو دنیا میں کھو کر آخرت کو اس طرح نہ بھولتے)، تم (اپنی حرص کے نتیجے میں) دوزخ کو ضرور دیکھ کر رہو گے، پھر تم اسے ضرور یقین کی آنکھ سے دیکھ لو گے، پھر اس دن تم سے (اللہ کی) نعمتوں کے بارے میں ضرور پوچھا جائے گا (کہ تم نے انہیں کہاں کہاں اور کیسے کیسے خرچ کیا تھا) (102 :1-8)

ایک سو سیکنڈز کی سورت التکاثر (زیادہ سے زیادہ کی لالچ) ابتدائی مکی سورت ہے۔ اس میں قرآن مجید کی ایک بہت ہی طاقت ور پیشن گوئی کی عبارت ہے جو انسان کے بے لگام لالچ کو روشن کرتی ہے۔ یہ رجحانات ہمارے اس موجودہ دور میں تمام انسانی معاشروں پر حاوی ہوئے ہیں۔

اصطلاح التکاثر "لالچ میں اضافے کے لئے کوشاں" کے معنی رکھتا ہے چاہے وہ فوائد مادی ہو یا غیر مادی، حقیقی ہو یا خیالی۔ اس سے زیادہ سے زیادہ دولت اور مادی سامان کے لئے انسان کی جنونی جدوجہد کی نشاندہی ہوتی ہے۔ اس طرح کی کوششوں کا زبردست تعاقب انسان کو تمام روحانی بصیرت سے روکنے اور اخلاقی اقدار پر مبنی کسی بھی پابندی کو قبول کرنے سے روکتا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ نہ صرف افراد بلکہ پورا معاشرہ ہی آہستہ آہستہ اندرونی استحکام اور خوشی کا کوئی امکان کھو دیتا ہے۔

آپ خود کو "زمینی جہنم" میں پاتے ہو جو زندگی کو غلط انداز میں بسر کرنے سے پیدا ہوا ہے نیز مایوسی ناخوشی اور الجھن جو مادیت کے بے حد پیچیدہ اور بے لگام حصول لانے کا پابند ہے۔ ہمارے زمانے میں بنی نوع انسان تمام روحانی اور مذہبی رجحان کی باقیات کو کھونے والا ہے۔ آپ کو ماضی کے کاموں کی اصل نوعیت کی بصیرت کے ذریعے آخرت میں اس کا ادراک ہو گا۔ ایک شخص زندگی کے اعانت کا غلط بیکار استعمال کر کے خود کو تکلیف پہنچاتا ہے۔

الھمزہ(دولت جمع کرنا)

ہر اس شخص کے لئے ہلاکت ہے جو(روبرو) طعنہ زنی کرنے والا ہے(اور پس پشت) عیب جوئی کرنے والا ہے،(خرابی وتباہی ہے اس شخص کے لئے) جس نے مال جمع کیا اور اسے گن گن کر رکھتا ہے،وہ یہ گمان کرتا ہے کہ اس کی دولت اسے ہمیشہ زندہ رکھے گی،ہر گز نہیں!وہ ضرور حطمہ (یعنی چوراچورا کر دینے والی آگ) میں پھینک دیا جائے گا،اور آپ کیا سمجھے ہیں کہ حطمہ (چوراچورا کر دینے والی آگ) کیا ہے،(یہ) اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے،جو دلوں پر (اپنی اذیت کے ساتھ) چڑھ جائے گی،بیشک وہ (آگ) ان لوگوں پر ہر طرف سے بند کر دی جائے گی،(بھڑکتے شعلوں کے) لمبے لمبے ستونوں میں (اور ان لوگوں کے لئے کوئی راہِ فرار نہ رہے گی)(104 :1-9)

ایک سو چار نمبر سورت الھمزہ(بہتان بولنے والا) اس کا روایتی اسم پہلی آیت میں آنے والے اسم سے مستعمل ہے۔ایسا لگتا ہے کہ یہ سورت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے تیسرے سال کے آخر میں نازل ہوئی ہے۔

"اس کا مال اسے ہمیشہ زندہ رکھے گا" یہ ایسے الفاظ ہیں جن کو سوچتے ہوئے انسان کسی بھی روحانی اقدار کی قدر نہیں کرتا(دیکھیں 102:1 اس باب کے آغاز پر)۔دردناک عذاب، جہنم کے تصور میں شامل دوسرے عالمگیر مصائب کے متعدد استعاروں میں سے ایک ہے۔خدا کی ان کے دلوں میں بھڑکائی ہوئی آگ نے انہیں مایوسی سے دوچار کر دیا اور یہ گناہگاروں کے لئے اپنے جرم کا احساس کرنے کے لئے ہے۔

لالچ/حرص

"فرمادیجئے:اگر تم میرے رب کی رحمت کے خزانوں کے مالک ہوتے تو تب بھی(سب) خرچ ہو جانے کے خوف سے تم (اپنے ہاتھ) روکے رکھتے،اور انسان بہت ہی تنگ دل اور بخیل واقع ہوا ہے(:17 :100)

یہ بات نہیں بلکہ (حقیقت یہ ہے کہ عزت اور مال و دولت کے ملنے پر) تم یتیموں کی قدر و اِکرام نہیں کرتے،اور نہ ہی تم مسکینوں (یعنی غریبوں اور محتاجوں) کو کھانا کھلانے کی (معاشرے میں) ایک دوسرے کو ترغیب دیتے ہو،اور وراثت کا سارا مال سمیٹ کر (خود ہی) کھا جاتے ہو (اس میں سے افلاس زدہ لوگوں کا حق نہیں نکالتے)،اور تم مال و دولت سے حد درجہ محبت رکھتے ہو(89 :17-20)

اخلاقیات کی قربانی پر مادی کامیابی

اور جب ان پر ہماری روشن آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو کافر لوگ ایمان والوں سے کہتے ہیں:(اسی دنیا میں دیکھ لو!ہم) دونوں گروہوں میں سے کس کی رہائش گاہ بہتر اور مجلس خوب تر ہے،اور ہم نے ان سے پہلے کتنی ہی قوموں کو ہلاک کر ڈالا جو ساز و سامانِ زندگی اور نمود و نمائش کے لحاظ سے (ان سے بھی) کہیں بہتر تھے،فرمادیجئے:جو شخص گمراہی میں مبتلا ہو تو (خدائے) رحمان (بھی) اسے عمر و عیش میں خوب مہلت دیتا رہتا ہے،یہاں تک کہ جب وہ

لوگ اس چیز کو دیکھ لیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے خواہ عذاب اور خواہ قیامت، تب وہ اس شخص کو جان لیں گے جو رہائش گاہ کے اعتبار سے (بھی) برا ہے اور لشکر کے اعتبار سے (بھی) کمزور تر ہے(19 :73-75)

یہ انسانی معاشرے کی دو اقسام کا ایک اشارہ ہے جو زندگی کے بارے میں ان کے مختلف نقطہ نظر اور ایمان اور اخلاقیات کے مسائل پر مبنی ہیں۔ بیاناتی سوال کی لپیٹ میں منکرین کی عبارتی "کہانی" ایک ایسے معاشرے کی حمایت کرتی ہے جو کسی بھی طرح کی اخلاقی رکاوٹوں کو قبول کرنے سے انکار کرتی ہے اور صرف تنہائی کے حکم کو ماننے کے لئے پر عزم ہے۔ اس طرح کے معاشرتی نظام میں جب کوئی خدا کے اخلاقیات کے بنائے ہوئے معیار کو سوچے سمجھے رد کرتا ہے تو اسے مادی کامیابی اور طاقت کے طور پر دیکھا جاتا ہے مفروضہ یہ ہے کہ وہ انسان کی مادی کامیابی کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔ کسی بھی قیمت پر اس مادی کامیابی کا قرآنی جواب تین گنا ہے:

.1 ہر مومن کو گنہگاروں کے لئے دعا کرنے کا حکم دیا گیا ہے تا کہ خدا مہلت دے اور ان کی عمر کو لمبی کرے تا کہ ان کو اپنے طریقوں کی غلطی کا احساس کرنے اور توبہ کرنے کا موقع ملے۔

.2 وہ لوگ جو نیک راہ پر ہیں ان کے نیک اعمال کا بدلہ اس دنیاوی مال کی نسبت، آنے والی زندگی میں بہت زیادہ ہو گا

.3 گنہگار جو زندگی سے متعلق اپنے جذب شدہ مادی نظریات کو تبدیل کرنے سے انکار کرتے ہیں انھیں بعد کی زندگی میں تکالیف کا سامنا کرنا پڑے گا جیسا کہ اگلا حصہ واضح کرتا ہے۔

بعد کی زندگی میں نتائج

کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے ہماری آیتوں سے کفر کیا اور کہنے لگا: مجھے (قیامت کے روز بھی اسی طرح) مال و اولاد ضرور دیئے جائیں گے، وہ غیب پر مطلع ہے یا اس نے (خدائے) رحمان سے (کوئی) عہد لے رکھا ہے، ہرگز نہیں! اب ہم وہ سب کچھ لکھتے رہیں گے جو وہ کہتا ہے اور اس کے لئے عذاب (پر عذاب) خوب بڑھاتے چلے جائیں گے، اور (مرنے کے بعد) جو یہ کہہ رہا ہے اس کے ہم ہی وارث ہوں گے اور وہ ہمارے پاس تنہا آئے گا (اس کے مال و اولاد ساتھ نہ ہوں گے)، اور انہوں نے اللہ کے سوا (کئی اور) معبود بنا لئے ہیں تا کہ وہ ان کے لئے باعثِ عزت ہوں، ہرگز (ایسا) نہیں ہے، عنقریب وہ (معبودانِ باطلہ خود) ان کی پرستش کا انکار کر دیں گے اور ان کے دشمن ہو جائیں گے(19 :77-82)

یہ تمام اخلاقی نظریات کو خارج کرنے اور مادی اقدار پر اصرار کی ایک اور مثال ہے کہ دنیاوی کامیابی ہی وہ چیز ہے جو زندگی میں شمار ہوتی ہے۔ کامیابی کا مادیت پسندانہ تصور دولت اور بچوں کے اضافے کے مترادف ہے۔ یہ لوگ دولت و اقتدار کی عبادت تقریباً مذہبی عقیدت کے ساتھ ہی کرتے ہیں اور دنیاوی کامیابی کے ان مظاہروں کو خدائی قوتوں کی حیثیت سے منسوب کرتے ہیں۔ وہ قیامت کے دن خدا کے سامنے تنہا حالت میں نظر آئیں گے کسی چیز سے فائدہ اٹھانے اور کسی بھی طرح کی حمایت سے محروم رہیں گے اور صرف خدا کے فضل و کرم پر انحصار کریں گے۔

کیا دولتمند خدا کی حمایت کی طرف اشارہ کرتے ہیں؟

اور ہم نے کسی بستی میں کوئی ڈر سنانے والا نہیں بھیجا مگر یہ کہ وہاں کے خوشحال لوگوں نے (ہمیشہ یہی) کہا کہ تم جو (ہدایت) دے کر بھیجے گئے ہو ہم اس کے منکر ہیں، اور انہوں نے کہا کہ ہم مال و اولاد میں بہت زیادہ ہیں اور ہم پر عذاب نہیں کیا جائے گا، فرما دیجئے: میرا رب جس کے لئے چاہتا ہے رِزق کشادہ فرما دیتا ہے اور (جس کے لئے چاہتا ہے) تنگ کر دیتا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے (34 :34-36)

جو لوگ دولت کی تلاش میں تمام اخلاقی غور و فکر سے خارج ہو جاتے ہیں وہ اعلان کریں گے کہ زندگی میں صرف ایک ہی مقصد ہے جو کہ محض مادی فوائد سے لطف اندوز ہونا ہے۔ مادی طور پر کامیاب زندگی ایک " صحیح راہ پر" ہونے کا ثبوت ہے۔ وہ بے وقوف، دولت اور غربت کو خدا کے حق یا ناگوار ہونے کا اشارہ سمجھتے ہیں۔ یہ بیان بہت سارے لوگوں کے اس عقیدے کی تردید کرتا ہے کہ مادی خوشحالی انسانی کوششوں کا جواز ہے یہاں تک کہ ماحولیات یا روحانیت کی قیمت پر بھی۔

33

سود

یہ سودی فوائد کے ذریعے ہی تھا کہ مکہ کے کافروں نے دولت حاصل کی تھی جس کی وجہ سے وہ اپنی طاقت ور فوج کو لیس کر سکتے تھے۔ انہوں نے احد میں ناقص مسلح مسلمانوں کو تقریباً شکست دے دی تھی مؤخر الذکر کو اس سلسلے میں اپنے دشمنوں کی تقلید کرنے کی آزمائش ہو گی۔ یہ ان سے اور مومنوں کی بعد کی نسلوں سے فتنے کو دور کرنا تھا کہ سود کی ممانعت پر دوبارہ وحی کے ذریعہ زور دیا گیا۔

اور جو مال تم سود پر دیتے ہو تا کہ (تمہارا اثاثہ) لوگوں کے مال میں مل کر بڑھتا رہے تو وہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھے گا(30:39)

قرآن مجید کی وحی کی تاریخ میں 'الربا' کی اصطلاح اور تصور کا یہ ابتدائی ذکر ہے۔ لسانی معنوں میں یہ اصطلاح کسی چیز کی اصل رقم سے زیادہ ہونے کا اشارہ دیتی ہے۔ قرآن مجید کی اصطلاحات میں 'الربا' ایک شخص کے ذریعہ دوسرے شخص کو دی گئی رقم یا سامان کی کسی بھی طرح کی غیر قانونی دلچسپی کی نشاندہی کرتی ہے۔

الربا کا متلاشی سود خور قرضوں کے ذریعے حاصل ہونے والے منافع کو جوڑتا ہے جس میں وسائل کے ذریعہ معاشی طور پر کمزور کا استحصال شامل ہے۔ قرض دہندہ کی جانب سے اس پیسے پر اس کی مکمل ملکیت ہے چاہے اس کے ادھار لینے والے کو نقصان ہو یا فائدہ۔

زیادہ شرحِ سود وصول کرنا

اے ایمان والو! دوگنا اور چوگنا کر کے سود مت کھایا کرو، اور اللہ سے ڈرا کرو تا کہ تم فلاح پاؤ،(3 :130)

خرید و فروخت حلال ہے

جو لوگ سُود کھاتے ہیں وہ (روزِ قیامت) کھڑے نہیں ہو سکیں گے مگر جیسے وہ شخص کھڑا ہوتا ہے جسے شیطان (آسیب) نے چھو کر بدحواس کر دیا ہو، یہ اس لئے کہ وہ کہتے تھے کہ تجارت (خرید و فروخت) بھی تو سود کی مانند ہے، حالانکہ اللہ نے تجارت (سوداگری) کو حلال فرمایا ہے اور سود کو حرام کیا ہے(2 :275)

آخرت کی زندگی میں سزا

پس جس کے پاس اس کے رب کی جانب سے نصیحت پہنچی سو وہ (سود سے) باز آگیا تو جو پہلے گزر چکا وہ اسی کا ہے، اور اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے، اور جس نے پھر بھی لیا سو ایسے لوگ جہنمی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے (2 :275)

صدقہ کے مخالف 'سود'

اور اللہ سود کو مٹاتا ہے (یعنی سودی مال سے برکت کو ختم کرتا ہے) اور صدقات کو بڑھاتا ہے (یعنی صدقہ کے ذریعے مال کی برکت کو زیادہ کرتا ہے)، اور اللہ کسی بھی ناسپاس نافرمان کو پسند نہیں کرتا (2 :276)

سود، صدقہ کے برخلاف ہے کیونکہ سابقہ، اخلاقی طور پر مؤخر الذکر کے مخالف ہے۔ سچا صدقہ مادی فوائد کی کسی توقع کے بغیر دینے پر مشتمل ہوتا ہے جبکہ سود قرض دینے والے کی طرف سے کسی بھی طرح کی کوشش کے بغیر فائدہ کی توقع پر مبنی ہوتا ہے۔

اپنے سود سے حاصل فوائد چھوڑ دیں

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو کچھ بھی سود میں سے باقی رہ گیا ہے چھوڑ دو اگر تم (صدقِ دل سے) ایمان رکھتے ہو، پھر اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف سے اعلانِ جنگ پر خبردار ہو جاؤ، اور اگر تم توبہ کر لو تو تمہارے لئے تمہارے اصل مال (جائز) ہیں، نہ تم خود ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے (2 :278-279)

خیرات کے طور پر قرض کو معاف کر دیں

اور اگر قرض دار تنگدست ہو تو خوشحالی تک مہلت دی جانی چاہئے، اور تمہارا (قرض کو) معاف کر دینا تمہارے لئے بہتر ہے اگر تمہیں معلوم ہو (کہ غریب کی دل جوئی اللہ کی نگاہ میں کیا مقام رکھتی ہے)، اور اس دن سے ڈرو جس میں تم اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے، پھر ہر شخص کو جو کچھ عمل اس نے کیا ہے اس کی پوری پوری جزا دی جائے گی اور ان پر ظلم نہیں ہو گا (2 :280-281)

عبد اللہ ابن عباس کے غیر متنازعہ شواہد کے مطابق آیت نمبر 281 نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہونے والی آخری وحی تھی اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انتقال فرما گئے تھے۔ ساتھیوں کے پاس اس سے متعلقہ حکم امتناعی کے قانونی مضمرات کے بارے میں پوچھنے کا کوئی موقع نہیں تھا۔ عمر بن الخطاب نے معتبر طور پر کہا ہے کہ "قرآن مجید کا آخری انکشاف ہوا جس کا حصول الربا تھا اور رسول خدا ہم سے اس کے معنی بیان کیے بغیر ہی انتقال کر گئے۔" بہر حال قرآن جس شدت کے ساتھ الربا کی مذمت کرتا ہے اور جو لوگ اس پر عمل پیرا ہوتے ہیں وہ اس کی نوعیت اور اس کے معاشرتی اور اخلاقی مضمرات کا واضح طور پر کھلا اشارہ دیتے ہیں۔

کیا کاروباری قرض پر سود، سود ہے؟

جب کہ الربا کے تصور اور عمل کی قرآنی مذمت، غیر متنازعہ اور حتمی ہے لیکن ہر متوقع مسلم نسل کو اس اصطلاح کو نئی جہتوں اور تازہ معاشی معنی دینے کے چیلینج کا سامنا کرنا پڑتا ہے جس کے بدلے میں اس سے بہتر لفظ کی وضاحت کی جاسکتی ہے۔ "سود۔" پچھلی صدی تک اس آیت کو تمام قرضوں کا پابند سمجھا گیا تھا حالانکہ تحفوں کے بارے میں اکثر غیر رسمی تفہیم ہوتی تھی جو قرض لینے والا قرض دینے والے کو اپنی تعریف کے اظہار کے طور پر کرتا ہے۔

آہستہ آہستہ انیسویں صدی میں مسلم ممالک میں نجی کاروبار کے آگے بڑھنے کے ساتھ اس آیت کی دوبارہ تشریح کی گئی جس کا مطلب یہ ہے کہ انسانی ضروریات کی امداد کے لئے استعمال ہونے والے قرضوں پر سود وصول نہیں کیا جانا چاہیے۔ پھر بھی کاروباری مقاصد کے لئے قرضوں پر یہ پابندی لاگو نہیں ہوئی۔ چونکہ مؤخر الذکر کا قرض لینے والے کو نفع پہنچانے کے لئے ترتیب دیا گیا تھا لہذا یہ محسوس کیا گیا کہ قرآن اس مقصد کے تحت قرض دینے والے کو اس منافع سے خارج کرنے کا ارادہ نہیں کر سکتا تھا۔ رہن سہن اور کار قرضوں پر ادا کی جانے والی قسطوں کو سود کے بجائے کرایہ کے طور پر قرار دیا جانا چاہئے۔ اس تشریح کے ساتھ یہ غالب مسلم نظریہ ہے کہ اسلام اور ہمدرد سرمایہ دارانہ نظام کے مابین کوئی مطابقت نہیں ہے۔

کریڈٹ کے لئے تحریری لین دین

اے ایمان والو! جب تم کسی مقررہ مدت تک کے لئے آپس میں قرض کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو، اور تمہارے درمیان جو لکھنے والا ہو اسے چاہئے کہ انصاف کے ساتھ لکھے اور لکھنے والا لکھنے سے انکار نہ کرے جیسا کہ اسے اللہ نے لکھنا سکھایا ہے، پس وہ لکھ دے (یعنی شرع اور ملکی دستور کے مطابق وثیقہ نویسی کا حق پوری دیانت سے ادا کرے)، اور مضمون وہ شخص لکھوائے جس کے ذمہ حق (یعنی قرض) ہو اور اسے چاہئے کہ اللہ سے ڈرے جو اس کا پروردگار ہے اور اس (زرِ قرض) میں سے (لکھواتے وقت) کچھ بھی کمی نہ کرے، پھر اگر وہ شخص جس کے ذمہ حق واجب ہوا ہے ناسمجھ یا ناتواں ہو یا خود مضمون لکھوانے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو تو اس کے کارندے کو چاہئے کہ وہ انصاف کے ساتھ لکھوا دے (2 :282)

مذکورہ آیت میں یہ واضح طور پر کہا گیا ہے کہ لین دین کو لکھ لیا کرو خواہ یہ سراسر قرض ہو یا تجارتی معاہدہ۔ اس کا تعلق دینے والے اور لینے والے دونوں سے ہے اور اس کے مطابق قرآن مجید کے قوانین پر عمل پیرا ہو کر "مساویانہ طور پر اسے لکھ لو" جو کمزور فریق ہیں وہ ان معاہدوں کو لکھ لیا کریں۔ اگر وہ جسمانی طور پر معذور ہے یا اس طرح کے معاہدوں میں استعمال ہونے والی کاروباری اصطلاحات کو پوری طرح سے نہیں سمجھتا ہے یا وہ اس زبان سے واقف نہیں ہے جس میں معاہدہ لکھا جانا ہے تو اس کے ولی کو حکم دیں۔ جملہ "دماغ یا جسم کا کمزور" (لفظی طور پر "سمجھنے میں کوتاہی یا کمزور") نابالغوں کے ساتھ ساتھ بوڑھے افراد پر بھی لاگو ہوتا ہے جو اب اپنی ذہنی حالت پر مکمل قبضہ نہیں رکھتے ہیں۔

دو مرد یا ایک مرد اور دو خواتین کی گواہی

اور اپنے لوگوں میں سے دو مردوں کو گواہ بنالو، پھر اگر دونوں مرد میسر نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ہوں (یہ) ان لوگوں میں سے ہوں جنہیں تم گواہی کے لئے پسند کرتے ہو (یعنی قابلِ اعتماد سمجھتے ہو) تاکہ ان دو میں سے ایک عورت بھول جائے تو اس ایک کو دوسری یاد دلا دے، اور گواہوں کو جب بھی (گواہی کے لئے) بلایا جائے وہ انکار نہ کریں (2:282)

ماضی میں خواتین کاروباری دنیا کی عادی نہیں تھیں اور وہ اس سلسلے میں یہ غلطی کر سکتی تھیں۔ یہ شرط جو کہ دو خواتین کو ایک مرد گواہ کے لئے تبدیل کیا جا سکتا ہے اس سے عورت کی اخلاقی یا فکری صلاحیتوں کی کوئی توہین نہیں ہوتی ہے۔

اور معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا اسے اپنی میعاد تک لکھ رکھنے میں اکتایا نہ کرو، یہ تمہارا دستاویز تیار کر لینا اللہ کے نزدیک زیادہ قرینِ انصاف ہے اور گواہی کے لئے مضبوط تر اور یہ اس کے بھی قریب تر ہے کہ تم شک میں مبتلا نہ ہو (2 :282)

معاہدے سے پیدا ہونے والے تمام حقوق اور ذمہ داریوں کو لکھیں خواہ وہ چھوٹے ہوں یا بڑے

سوائے اس کے کہ دست بدست ایسی تجارت ہو جس کا لین دین تم آپس میں کرتے رہتے ہو تو تم پر اس کے نہ لکھنے کا کوئی گناہ نہیں (2 :282)

کاتبوں اور گواہوں کے لئے استثنیٰ

اور جب بھی آپس میں خرید و فروخت کرو تو گواہ بنا لیا کرو، اور نہ لکھنے والے کو نقصان پہنچایا جائے اور نہ گواہ کو، اور اگر تم نے ایسا کیا تو یہ تمہاری حکم شکنی ہو گی، اور اللہ سے ڈرتے رہو، اور اللہ تمہیں (معاملات کی) تعلیم دیتا ہے اور اللہ ہر چیز کا خوب جاننے والا ہے (2 :282)

اور اگر تم سفر پر ہو اور کوئی لکھنے والا نہ پاؤ تو باقبضہ رہن رکھ لیا کرو، پھر اگر تم میں سے ایک کو دوسرے پر اعتماد ہو تو جس کی دیانت پر اعتماد کیا گیا اسے چاہئے کہ اپنی امانت ادا کر دے اور وہ اللہ سے ڈرتا رہے جو اس کا پالنے والا ہے، اور تم گواہی کو چھپایا نہ کرو، اور جو شخص گواہی چھپاتا ہے تو یقیناً اس کا دل گنہگار ہے، اور اللہ تمہارے اعمال کو خوب جاننے والا ہے (2 :283)

معاہدہ کے حتمی نتائج یا معاہدہ کرنے والی فریقوں میں سے کسی کے ذریعہ کسی بھی شق کی عدم تکمیل کے لئے نہ ہی گواہ اور نہ ہی کاتب کو ذمہ دار قرار دیا گیا ہے۔ کسی کاروباری لین دین کی "گواہی کو چھپانا نہیں" یا اگر کسی مقروض کو تحریری معاہدے اور گواہوں کے بغیر اعتماد پر قرض دیا جائے اور اس کے نتیجے میں اس کا مقروض سارے عمل سے انکاری ہو جائے۔

34

وراثت کے قانون

قرآن مجید صرف تین آیات (124:11 اور 176) ہیں جن میں وراثت اور حصوں کی مخصوص تفصیل دی گئی ہے۔ قرآن مجید کی کچھ ذیلی آیات میں وراثت کے قوانین کے دوسرے پہلوؤں کی مزید وضاحت کی گئی ہے۔

وراثت کب تقسیم کی جاتی ہے؟

خیرات

اور اگر تقسیم (وراثت) کے موقع پر (غیر وارث) رشتہ دار اور یتیم اور محتاج موجود ہوں تو اس میں سے کچھ انہیں بھی دے دو اور ان سے نیک بات کہو، اور (یتیموں سے معاملہ کرنے والے) لوگوں کو ڈرنا چاہئے کہ اگر وہ اپنے پیچھے ناتواں بچے چھوڑ جاتے تو (مرتے وقت) ان بچوں کے حال پر (کتنے) خوفزدہ (اور فکر مند) ہوتے، سو انہیں (یتیموں کے بارے میں) اللہ سے ڈرتے رہنا چاہئے اور (ان سے) سیدھی بات کہنی چاہئے (4 :8-9)

مقتول کے ورثاء کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اہل خانہ کے ضرورت مند افراد کے لئے فلاحی کام کریں جو حصے کے حقدار نہیں ہیں جو وراثت تقسیم ہونے پر وہاں موجود ہوں۔

وصیت یا قرض کی کٹوتی

(یہ تقسیم بھی) اس وصیت کے بعد (ہو گی) جو (وارثوں کو) نقصان پہنچائے بغیر کی گئی ہو یا قرض (کی ادائیگی) کے بعد (4:12)

"جو وارثوں کو نقصان پہنچائے بغیر کی گئی ہو" کے جملے سے وصیت اور فرضی قرضوں سے مراد ورثاء کو ان کے قانونی حصے سے محروم کرنا ہے۔ جب کوئی مسلمان فوت ہو جاتا ہے تو کاروبار کا پہلا حکم یہ ہے کہ جنازے کے اخراجات اس کا کوئی قرض غریبوں کے لئے صدقہ اور خاص طور پر اس کے اہل خانہ کے مستحق ممبروں کو (وصیت کے مطابق) دینا۔ اور (4:11-12) میں مذکور قانونی طور پر طے شدہ حصص کی تقسیم سے پہلے۔ اس کے بعد باقی رہائشی جائداد ورثاء میں تقسیم کر دی جاتی ہے۔

وارث کون ہیں؟

خواتین کو وراثت کا حق دیا گیا

مردوں کے لئے اس (مال) میں سے حصہ ہے جو ماں باپ اور قریبی رشتہ داروں نے چھوڑا ہو اور عورتوں کے لئے (بھی) ماں باپ اور قریبی رشتہ داروں کے ترکہ میں سے حصہ ہے۔ وہ ترکہ تھوڑا ہو یا زیادہ (اللہ کا) مقرر کردہ حصہ ہے(4 :7)

اور ہم نے سب کے لئے ماں باپ اور قریبی رشتہ داروں کے چھوڑے ہوئے مال میں حق دار (یعنی وارث) مقرر کر دیئے ہیں، اور جن سے تمہارا معاہدہ ہو چکا ہے سو اُنہیں ان کا حصہ دے دو، بیشک اللہ ہر چیز کا مشاہدہ فرمانے والا ہے،(4:33)

اسلام سے قبل عرب میں والدین کے پیچھے چھوڑی گئی جائیداد کے وارث ہونے کا حق صرف مردوں یا بعض اوقات صرف پہلے پیدا ہونے والے مرد تک ہی محدود تھا۔ مذکورہ آیت (4:7) کے مطابق یہ پہلا موقع تھا جب عرب خواتین کو وراثت میں حصہ دیا گیا تھا۔ خواتین کو وراثت کا حق دینا (حالانکہ جزوی طور پر) زمان و تاریخ کے تناظر میں ایک انقلابی اقدام تھا۔ ایسے حالات میں چودہ سو سال پہلے خواتین کو وراثت میں مساوی حقوق دینا ناقابل فہم ہوتا۔ کنبہ نے خاندان کے تمام افراد کے لئے وراثتی نظام کو اپنا کر قبیلے کو بنیادی معاشرتی اکائی کے طور پر تبدیل کیا۔

قانونی وارثوں کا شیعہ نظام

شیعہ قانون، قانونی ورثاء کو تین بنیادی کلاسوں میں تقسیم کرتا ہے: کلاس 1: والدین اور بچے کلاس 2: دادا دادی بھائی اور بہنیں اور کلاس 3: ماموں اور خالہ۔ جب تک کہ ورثہ کلاس 1 سے موجود ہے کوئی بھی کلاس 2 میں وراثت کا حقدار نہیں ہے اور اسی طرح سے باقی۔

مردوں کے لئے ترجیحی سلوک

اللہ تمہیں تمہاری اولاد (کی وراثت) کے بارے میں حکم دیتا ہے کہ لڑکے کے لئے دو لڑکیوں کے برابر حصہ ہے(4:11)

مرد عورتوں پر محافظ و منتظِم ہیں اس لئے کہ اللہ نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور اس وجہ سے (بھی) کہ مرد (ان پر) اپنے مال خرچ کرتے ہیں(4:34)

وراثت کے قوانین میں دو وجوہات کی بنا پر مردوں کے ساتھ خواتین پر ترجیحی سلوک کیا جاتا ہے۔ سب سے پہلے اسلامی قانون مرد پر کنبے کی دیکھ بھال کا بوجھ ڈالتا ہے۔ پہلا رہنمائی اصول یہ ہے کہ بیٹا دو بیٹیوں کے برابر حصہ لیتا ہے۔ شوہر کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی بیوی اور بچوں کی کفالت کرے۔ "اس نے عورت کی دیکھ بھال کی۔" جسمانی دیکھ بھال اور حفاظت کے تصورات کے ساتھ ساتھ اخلاقی ذمہ داری کی نشاندہی کرتی ہے۔ تاہم آج کی دنیا میں ایک گھرانے میں اب دو آمدنی والے افراد کا ہونا معمول بن گیا ہے اور اب رزق کمانے والے صرف مرد ہی نہیں ہیں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ جب وہ شادی کرتے ہیں تو عورتیں اس کے والدین کی طرف سے کسی بھی رزق کے علاوہ شوہر سے جہیز کی حقدار ہوتی ہیں۔ جہیز ایک ایسا تحفہ ہے جو شادی کا معاہدہ کرنے پر عورت کے واحد ملکیت کے طور پر دیا جاتا ہے اور یہ اس کے شوہر کی جائداد سے وراثت کے حقوق میں پیش قدمی ہے۔

آج اسلامی ممالک میں خواتین کی زندگی کی حقیقت اکثر مذہبی قانون کے تحت جائیداد کے وارث ہونے اور ان کے مالک ہونے کے حقوق کی عکاسی نہیں کرتی ہے۔ کچھ عرب معاشروں میں دلہن کا باپ، دولہا اور اس کے اہل خانہ کے ذریعہ دیا ہوا جہیز رکھتا ہے۔ چونکہ زیادہ تر خواتین معاشی طور پر مردوں پر منحصر ہوتی ہیں لہذا ان کے مرد رشتہ داروں کی جبری حمایت کے ضامن کے بدلے میں وراثت میں ملنے والی دولت ان کے حوالے کرنے پر مجبور ہو جاتی ہیں۔

انڈیا۔ پاکستان معاشرے میں دلہن کو پیشگی تحفہ دینے کی رسم کو مسخ کر دیا گیا ہے۔ شوہر کا کنبہ دلہن کے کنبہ کی طرف سے جہیز مانگتا ہے اور فوائد لیتا ہے یہ روایت ہندو مذہب سے اپنائی گئی ہے اور * قرآنی تعلیمات کے منافی ہے۔

کب صرف بیٹیاں وارث ہوتی ہیں؟

پھر اگر صرف لڑکیاں ہی ہوں (دو یا) دو سے زائد تو ان کے لئے اس ترکہ کا دو تہائی حصہ ہے، اور اگر وہ اکیلی ہو تو اس کے لئے آدھا ہے (4:11)

اگر مرنے والے کے بیٹے یا والدین نہیں صرف بیٹیاں ہی ہیں خواہ وہ دو یا زیادہ ہوں وہ جائیداد کے دو تہائی حصے کے وارث ہیں۔ اگر صرف ایک ہی بیٹی متوفی والدین سے بچ جاتی ہے تو اسے اس کا ایک آدھا حصہ مل جاتا ہے۔ قرآن مجید میں اس بات کا کوئی اشارہ نہیں ہے کہ باقی دولت کا کیا ہوتا ہے۔ اگر کوئی مسلمان چاہے کہ وہ تمام رشتہ داروں کو چھوڑ کر صرف اپنی بیٹیوں کو اپنی تمام جائیداد کا وارث بنائے تو وہ اپنی زندگی میں ہی اسے ایک عمدہ تحفہ کے طور پر دینے پر غور کر سکتا ہے۔

مثال: اگر کوئی مسلمان فوت ہو جاتا ہے اور بیٹی اور بھائی پیچھے رہ جاتے ہیں تو سنی یا شیعہ قانون فیصلہ کرے گا کہ رہائشی املاک کس کو حاصل ہے۔ سنی تفسیر کے مطابق بیٹی آدھے حصہ دار کی حیثیت سے مستحق ہے۔ مقتول کا بھائی باقی کا وارث ہو گا۔ شیعہ تشریح (جس کو واپسی کا اصول بھی کہا جاتا ہے) کے تحت بیٹی کا پہلا حصہ، حصہ دار کے طور پر ہو گا جبکہ دوسرا آدھا بھی اس کے پاس واپس آئے گا۔ کیونکہ بیٹی کلاس 1 اور بھائی کلاس 2 سے تعلق رکھتا ہے جب تک کہ ورثہ کلاس 1 سے موجود ہے کوئی بھی کلاس 2 میں وراثت کا حقدار نہیں ہے میت کے بھائی کو شیعہ قوانین کے تحت کچھ بھی نہیں ملے گا۔ وراثت کے قوانین کا شیعہ نقطہ نظر غمزدہ جماعت کو میراث دے کر انصاف کے تقاضے کو پورا کرتا ہے جس نے اپنا فائدہ اٹھانے والا کھو دیا ہے اور یہ خواتین کے ساتھ بھی امتیازی سلوک نہیں کرتا ہے۔

والدین کے حصے

اور مُورِث کے ماں باپ کے لئے ان دونوں میں سے ہر ایک کو ترکہ کا چھٹا حصہ (ملے گا) بشرطیکہ مُورِث کی کوئی اولاد ہو، پھر اگر اس میت (مُورِث) کی کوئی اولاد نہ ہو اور اس کے وارث صرف اس کے ماں باپ ہوں تو اس کی ماں کے لئے تہائی ہے (اور باقی سب باپ کا حصہ ہے)، پھر اگر مُورِث کے بھائی بہن ہوں تو اس کی ماں کے لئے چھٹا حصہ ہے (یہ تقسیم) اس وصیت (کے پورا کرنے) کے بعد جو اس نے کی ہو یا قرض (کی ادائیگی) کے بعد (ہو گی)، تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے تمہیں معلوم نہیں کہ فائدہ پہنچانے میں ان میں سے کون تمہارے قریب تر ہے، یہ (تقسیم) اللہ کی طرف سے فریضہ (یعنی مقرر) ہے (4:11)

اگر میت کے والدین زندہ اور کوئی بچہ یا بچے بھی ہوں تو والدین میں سے ہر ایک (حصہ دار) وراثت کے چھٹے حصے کا حقدار ہے اور باقی بچوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ اس مثال میں میت کی والدہ کو میت کے والد کے ساتھ برابر کا حصہ ملتا ہے۔

اگر والدین واحد وارث ہیں تو والدہ کے حصے میں ایک تہائی ہو گا۔ چونکہ والدین کا تذکرہ کیا جاتا ہے باپ خود بخود ایک رہائشی وارث بن جاتا ہے اور باقی حصص میں سے دو تہائی حصص وراثت میں ملتا ہے۔

بیوی کی جائداد سے شوہر کا حصہ

اور تمہارے لئے اس (مال) کا آدھا حصہ ہے جو تمہاری بیویاں چھوڑ جائیں بشرطیکہ ان کی کوئی اولاد نہ ہو، پھر اگر ان کی کوئی اولاد ہو تو تمہارے لئے ان کے ترکہ سے چوتھائی ہے (یہ بھی) اس وصیت (کے پورا کرنے) کے بعد جو انہوں نے کی ہو یا قرض (کی ادائیگی) کے بعد (4:12)

اگر متوفی عورت اپنا شوہر پیچھے چھوڑتی ہے اور ان کا کوئی بچہ نہیں ہے تو شوہر بنیادی حصے دار کی حیثیت سے اپنی بیوی کی جائیداد کا 50 فیصد حاصل کرے گا۔ چونکہ وہ بے اولاد ہے لہذا باقی 50 فیصد اس کے لواحقین کو رہائش گاہ کے طور پر الاٹ کر دیئے جائیں گے۔

اگر مرحومہ عورت نے، یا تو اپنے اسی شوہر سے جس کے ساتھ رہ رہی تھی یا سابقہ شوہر سے کوئی بچے چھوڑے ہیں تو شوہر کو ایک چوتھائی حصص ملتے ہیں اور اس کے بچوں کو باقی رہائش گاہ کے طور پر مل جاتے ہیں۔

شریک حیات کی جائیداد سے حصہ

اور آپ کی بیواؤں کو آپ کے پیچھے ترکہ میں ایک چوتھائی ملے گا، بشرطیکہ آپ نے کوئی بچہ نہ چھوڑا ہو؛ (باقی تین چوتھائی ممکنہ طور پر اس کے لواحقین کو ملے گا) اگر آپ نے کوئی بچہ چھوڑا ہے تو اس کے پاس آٹھواں حصہ ہو گا جو آپ پیچھے چھوڑ جاتے ہیں۔

اور تم میں سے جو لوگ فوت ہوں اور (اپنی) بیویاں چھوڑ جائیں ان پر لازم ہے کہ (مرنے سے پہلے) اپنی بیویوں کے لئے انہیں ایک سال تک کا خرچہ دینے (اور) اپنے گھروں سے نہ نکالے جانے کی وصیّت کر جائیں، پھر اگر وہ خود (اپنی مرضی سی) نکل جائیں تو دستور کے مطابق جو کچھ بھی وہ اپنے حق میں کریں تم پر اس معاملے میں کوئی گناہ نہیں، اور اللہ بڑا غالب بڑی حکمت والا ہے (2 :240)

بیوہ، بچوں کے ساتھ آٹھویں حصے کی وارث ہو گی اور باقی بچوں میں تقسیم ہو جائے گی۔ بیوہ کو اپنے موخر جہیز ایک سال کی بحالی اور اپنے شوہر کی جائیداد میں سے قرآن کے مطابق حصہ لینے کا حق ہے۔ اس کے متوفی شوہر کے گھر میں بیوہ کی رہائش کا سوال صرف اسی صورت میں پیدا ہوتا ہے جب اس کو ان شرائط کے مطابق وصیت نہ کی گئی ہو جو (12:4) میں بیان کی گئی ہیں۔ بیوہ کی دوبارہ شادی ہونے کی صورت میں وہ سال کے بقیہ حصے میں اپنے اضافی دیکھ بھال کا دعویٰ چھوڑ دیتی ہے۔

اگر صرف بھائی اور بہنیں ہی وارث ہوں

لوگ آپ سے فتویٰ (یعنی شرعی حکم) دریافت کرتے ہیں۔ فرما دیجئے کہ اللہ تمہیں (بغیر اولاد اور بغیر والدین کے فوت ہونے والے) کلالہ (کی وراثت) کے بارے میں یہ حکم دیتا ہے کہ اگر کوئی ایسا شخص فوت ہو جائے جو بے اولاد ہو مگر اس کی ایک بہن ہو تو اس کے لئے اس (مال) کا آدھا (حصہ) ہے جو اس نے چھوڑا ہے، اور (اگر اس کے برعکس بہن کلالہ ہو تو اس کے مرنے کی صورت میں اس کا) بھائی اس (بہن) کا وارث (کامل) ہو گا اگر اس (بہن) کی کوئی اولاد نہ ہو، پھر اگر (کلالہ بھائی کی موت پر) دو (بہنیں وارث) ہوں تو ان کے لئے اس (مال) کا دو تہائی (حصہ) ہے جو اس نے چھوڑا ہے، اور اگر (بصورتِ کلالہ مرحوم کے) چند بھائی بہن مرد (بھی) اور عورتیں (بھی وارث) ہوں تو پھر (ہر) ایک مرد کا (حصہ) دو عورتوں کے حصہ کے برابر ہو گا۔ (یہ احکام) اللہ تمہارے لئے کھول کر بیان فرما رہا ہے تاکہ تم بھٹکتے نہ پھرو، اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے (4 :176)

اگر کوئی بچہ وارث نہیں ہے

اگر میت کے بھائی اور بہنیں ہیں تو ماں کا حصہ کم ہو کر چھٹا ہو جاتا ہے۔

سوتیلے بھائیوں اور سوتیلی بہنوں کے حصص

اور اگر کسی مرد یا عورت کا کوئی سگا وارث نہیں ہے لیکن اس کا (سوتیلا) بھائی یا (سوتیلی) بہن ہے تو ان دونوں میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا۔ اگر دو سے زیادہ ہیں تو وہ [وراثت میں سے ایک تہائی] حصہ لیں گے۔ یہ [کسی کٹوتی] کرنے کے بعد یا کسی بھی قرض [جو ہو سکتا ہے] کے بعد ہے۔ جن میں سے کوئی بھی [وارثوں کو نقصان پہنچانے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا۔]

اس کا مطلب سوتیلے بھائیوں اور سوتیلی بہنوں سے ہے۔ اگر کوئی اور ورثاء ہیں تو وہ باقی وراثت میں سے حصص حاصل کرتے ہیں۔ بصورت دیگر میت کی مرضی باقی املاک پر لاگو ہوتی ہے۔

آگ کی سزا

یہ خدا کی طرف سے حکم ہے: اور خدا ہر بات سے واقف ہے۔ یہ اللہ کی (مقرر کردہ) حدیں ہیں اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نافرمانی کرے اور اس کی حدود سے تجاوز کرے اسے وہ دوزخ میں داخل کرے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا(4 :13-14)

وراثت کے قوانین کی خلاف ورزی کرنے والوں کے لئے سخت سزا کا وعدہ کیا گیا ہے۔

آخری وصیت اور عہد نامہ

ریکارڈنگ اور لکھنا

اے ایمان والو! جب تم میں سے کسی کی موت آئے تو وصیت کرتے وقت تمہارے درمیان گواہی (کے لئے) تم میں سے دو عادل شخص ہوں یا تمہارے غیروں میں سے (کوئی) دوسرے دو شخص ہوں اگر تم ملک میں سفر کر رہے ہو پھر (اسی حال میں) تمہیں موت کی مصیبت آپہنچے تو تم ان دونوں کو نماز کے بعد روک لو، اگر تمہیں (ان پر) شک گزرے تو وہ دونوں اللہ کی قَسمیں کھائیں کہ ہم اس کے عوض کوئی قیمت حاصل نہیں کریں گے خواہ کوئی (کتنا ہی) قرابت دار ہو اور نہ ہم اللہ کی (مقرر کردہ) گواہی کو چھپائیں گے (اگر چھپائیں تو) ہم اسی وقت گناہگاروں میں ہو جائیں گے، پھر اگر اس (بات) کی اطلاع ہو جائے کہ وہ دونوں (صحیح گواہی چھپانے کے باعث) گناہ کے سزاوار ہو گئے ہیں تو ان کی جگہ دو اور (گواہ) ان لوگوں میں سے کھڑے ہو جائیں جن کا حق پہلے دو (گواہوں) نے دبایا ہے (وہ میت کے زیادہ قرابت دار ہوں) پھر وہ اللہ کی قَسم کھائیں کہ بیشک ہماری گواہی ان دونوں کی گواہی سے زیادہ سچی ہے اور ہم (حق سے) تجاوز نہیں کر رہے، (اگر ایسا کریں تو) ہم اسی وقت ظالموں میں سے ہو جائیں گے، یہ (طریقہ) اس بات سے قریب تر ہے کہ لوگ صحیح طور پر گواہی ادا کریں یا اس بات سے خوفزدہ ہوں کہ (غلط گواہی کی صورت میں) ان کی قَسموں کے بعد (وہی) قَسمیں (زیادہ قریبی ورثاء کی طرف) لوٹائی جائیں گی، اور اللہ سے ڈرتے رہو اور (اس کے احکام کو غور سے) سنا کرو، اور اللہ نافرمان قوم کو ہدایت نہیں دیتا(5 :106-108)

جب کسی کنبہ کے فرد کی موت قریب آتی ہے تو ورثہ کو وصیت کے وقت گواہ کے طور پر کام کرنا چاہئے۔ اگر وہ شخص سفر کر رہا ہے اور اچانک بیمار ہو جاتا ہے تو پھر مسلم معاشرے میں سے دو گواہوں کی ضرورت ہے۔

ایک وصیت کو تبدیل کرنے کا گناہ

پھر جس شخص نے اس (وصیّت) کو سننے کے بعد اسے بدل دیا تو اس کا گناہ انہی بدلنے والوں پر ہے، بیشک اللہ بڑا سننے والا خوب جاننے والا ہے، پس اگر کسی شخص کو وصیّت کرنے والے سے (کسی کی) طرف داری یا (کسی کے حق میں) زیادتی کا اندیشہ ہو پھر وہ ان کے درمیان صلح کرا دے تو اس پر کوئی گناہ نہیں، بیشک اللہ نہایت بخشنے والا مہربان ہے(2 :181-182)

اگر کسی شخص نے وصیت کرنے والے کی موت کے بعد اپنی مرضی سے ردوبدل کیا تو گناہ صرف اس پر بدلاؤ کرنے والوں پر ہے نہ کہ کسی کو جس نے انجانے میں اس تبدیلی سے فائدہ اٹھایا ہو۔ اگر وصیت کرنے والے نے غلطی کی ہے یا جان بوجھ کر غلط کام کیا ہے تو متعلقہ فریقین کی مشترکہ رضامندی سے عہد نامے کی دفعات کو نظر انداز کرنے والی ایک تصفیہ ناجائز سمجھی جاتی ہے۔

اہل کنبہ کے مستحق افراد سے درخواست

تم پر فرض کیا جاتا ہے کہ جب تم میں سے کسی کی موت قریب آپہنچے اگر اس نے کچھ مال چھوڑا ہو، تو (اپنے) والدین اور قریبی رشتہ داروں کے حق میں بھلے طریقے سے وصیت کرے، یہ پرہیزگاروں پر لازم ہے (2 :180)

اگر کسی کو توقع ہے کہ وہ نہ صرف جائیداد بلکہ بہت ساری دولت پیچھے چھوڑ کر جائے گا تو وہ وصیت کے ذریعے اپنے خاندان کے خاص مستحق افراد کو اس میں سے حصہ دے سکتا ہے جیسا کہ (4:11,12) میں بیان کیا گیا ہے اس تشریح کی تائید حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اقوال سے ہوتی ہے یہ دونوں اس مخصوص آیت کا حوالہ دیتے ہیں۔ کچھ مبصرین کا دعوی ہے کہ کوئی بھی قانونی وارث کے پاس کچھ بھی نہیں چھوڑ سکتا ہے اور وراثت کے قوانین کے ذریعہ طے شدہ حصص میں کوئی کمی یا اضافہ نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اگر ایسا ہی ہے تو پھر والدین بچوں اور شریک حیات میت کے براہ راست قانونی وارث ہونے کی وجہ سے مذکورہ آیت میں والدین کا واضح طور پر ذکر کیوں کیا گیا ہے؟ عہد نامہ کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی بنیاد پر جائیداد کا ایک تہائی حصہ محدود ہے۔

ایک تہائی تک وصیت کو کیوں محدود رکھیں؟

متعدد مستند روایات کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع کیا کہ جہاں قانونی وارث موجود ہوں تو وہاں کوئی شخص ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت دوسروں کو نہ کرے۔ اگر وراثت کے کچھ حصہ کے قانونی طور پر حقدار قرابتدار نہیں ہیں تو وصیت کرنے والا آزادانہ طور پر اپنی خوش قسمتی کو جس طرح چاہے چھوڑ دیتا ہے۔ اس حد کے پیچھے حکمت یہ ہے کہ والدین اپنی تمام جائیداد اپنے "پسندیدہ" بچے کو دے کر، باقی بچوں کو ان کی قانونی وراثت سے محروم نہ کر سکیں۔ مغربی نظام کے تحت والدین اپنی جائداد کسی کو بھی کسی بھی صورت میں دے سکتے ہیں۔

اپینڈکس 8 دیکھیں "وراثت کے قوانین میں عدم مساوات کے حل"

گورننس

35

جمہوریت اور اسلام

رضامندی سے حکومت

اور (اہم) کاموں میں ان سے مشورہ کیا کریں، پھر جب آپ پختہ ارادہ کر لیں تو اللہ پر بھروسہ کیا کریں، بیشک اللہ توکّل والوں سے محبت کرتا ہے(3 : 159)

حکم امتناعی اور کونسل کے ذریعہ حکومت کو نافذ کرنا ان کو فن حکمرانی سے متعلق تمام قرآنی قوانین کی بنیادی شقوں میں سے ایک سمجھا جانا چاہئے۔ ضمیمہ "ان" کا تعلق پوری برادری اور "عوامی تشویش کے تمام امور بشمول ریاستی انتظامیہ سے ہے۔" اگرچہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب کیا جاتا ہے لیکن یہ تمام مسلمانوں اور ہر وقت کے لئے پابند ہیں۔ پیغمبر ہمیشہ اپنے آپ کو اپنی مجلس کے فیصلوں کا پابند سمجھتے تھے چاہے وہ اس کی رائے کے خلاف ہو۔ مزید یہ کہ جب حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے نزدیک ان سے پوچھا گیا کہ مذکورہ آیت میں "عجم ("عمل کے بارے میں فیصلہ کرنا") کے مفہوم کی وضاحت کرنے کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا" اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے ساتھ مشورہ کریں۔ باشعور لوگ اور پھر اس میں ان کی پیروی کریں گے۔

باہمی مشاورت کے ذریعے فیصلے

اور اُن کا فیصلہ باہمی مشورہ سے ہوتا ہے(42:38)

مطلوبہ الفاظ (الشوری یا مشاورت) آیت 38 میں "آپس میں مشاورت" کے جملہ سے ماخوذ ہے. جو کسی بھی یقین کرنے والے لوگوں کے معاشرے کے لیے ایک بنیادی اصول ہے مشورہ اسلامی طرز زندگی کا ایک بنیادی ستون ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کو اس قدر اہم قرار دیا ہے کہ وہ ہمیشہ "مشاورت" (شوریٰ) کے لفظ کے ذریعہ اس سورۃ کا حوالہ دیتے ہیں۔ سب سے پہلے قرآن کے پیروکاروں کو یہ یاد دلانا ہے کہ انہیں ایک ہی جماعت (

امت) میں رہ کر رہنا چاہئے اور دوسرا یہ اصول پیش کیا گیا ہے کہ باہمی مشاورت سے ان کے تمام فرقہ وارانہ کاروبار سے متعلق معاملات طے کرنے چاہئے۔

ایک مشہور حدیث میں بیان کردہ اصول کے مطابق "میری جماعت کبھی بھی کسی غلطی پر راضی نہیں ہوگی" اجتماعی زندگی کے معاملات مشورے کے بغیر انجام دینا، خدا کے قانون کی خلاف ورزی ہے۔ انصاف کا مطالبہ ہے کہ ان تمام لوگوں سے مشورہ کیا جائے جن کے مفادات کسی معاملے میں شامل ہیں۔ اگر یہ لوگوں کی ایک بڑی تعداد سے متعلق ہے تو ان کے نمائندے کو مشاورت کے لئے فریق کے طور پر شامل کیا جانا چاہئے۔ امور اتفاق رائے کے ذریعے طے پانے والے یا اکثریتی رائے سے مشاورت کے مطابق طے کرنے چاہیے۔ اگر یہ گھریلو معاملہ ہے تو شوہر اور بیوی کو باہمی مشورے سے کام کرنا چاہئے اور بالغ بچوں سے بھی مشورہ کرنا چاہئے۔

کیا عورت ریاست کی سربراہ ہو سکتی ہے؟

میں نے (وہاں) ایک ایسی عورت کو پایا ہے جو ان (یعنی ملکِ سبا کے باشندوں) پر حکومت کرتی ہے اور اسے (ملکیت و اقتدار میں) ہر ایک چیز بخشی گئی ہے اور اس کے پاس بہت بڑا تخت ہے (27:23)

بادشاہ اور ڈکٹیٹرز بدعنوانی کا سبب بنتے ہیں

(ملکہ نے) کہا: بیشک جب بادشاہ کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اسے تباہ و برباد کر دیتے ہیں اور وہاں کے باعزت لوگوں کو ذلیل و رسوا کر ڈالتے ہیں اور یہ (لوگ بھی) اسی طرح کریں گے (27 :34)

شاہ سلیمان اور شیبہ کی ملکہ کی کہانی پڑھیں جہاں قرآن بادشاہوں اور آمروں کی مذمت کرتا ہے۔ جب بادشاہ غلط طریقے سے قبضہ کرتے ہیں اور جبری طور پر اپنی رعایا پر مطلق اقتدار رکھتے ہیں تو وہ زمین میں بدعنوانی پھیلاتے ہیں۔ اس کے بیان میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ تشدد کے ذریعے حاصل کی جانے والی اور برقرار رکھی جانے والی تمام سیاسی طاقتوں کی قرآنی مذمت ہے کیونکہ یہ ظلم اذیت اور اخلاقی بدعنوانی کو جنم دینے کے پابند ہیں۔

دوستانہ مخالفت اور اختلاف کا حق

(سچے) مومنین صرف وہی ہیں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول پر بھروسہ کیا (اے رسولِ معظّم!) بیشک جو لوگ (آپ ہی کو حاکم اور مَرجَع سمجھ کر) آپ سے اجازت طلب کرتے ہیں وہی لوگ اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایمان رکھنے والے ہیں، پھر جب وہ آپ سے اپنے کسی کام کے لئے (جانے کی) اجازت چاہیں تو آپ (حاکم و مختار ہیں) ان میں سے جسے چاہیں اجازت مرحمت فرما دیں اور ان کے لئے (اپنی مجلس سے اجازت لے کر جانے پر بھی) اللہ سے بخشش مانگیں (کہ کہیں اتنی بات پر بھی گرفت نہ ہو جائے)، بیشک اللہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے، (اے مسلمانو!) تم

رسول کے بلانے کو آپس میں ایک دوسرے کو بلانے کی مثل قرار نہ دو (جب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بلانا تمہارے باہمی بلاوے کی مثل نہیں تو خود رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی تمہاری مثل کیسے ہو سکتی ہے) (24 :62 - 63)

"اس کے ساتھ "(ضمیر ذاتی) کا تعلق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے اور مشابہت سے ہر جائز مسلمان حکمران سے بھی ہے۔ اگر کوئی گروہ اتفاق رائے سے کوئی کام کرنے کا ارادہ رکھتا ہو اور آپ کو اس سے اختلاف ہو تو آپ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لیا کرو اس اصول سے "وفادار حزب اختلاف" کو تقویت ملتی ہے جو فرقہ وارانہ یا ریاستی پالیسی کے کسی خاص نکتہ پر عدم اتفاق کے امکان کو ظاہر کرتا ہے اور مشترکہ مقصد کے لئے مکمل وفاداری کے ساتھ ملتا ہے۔

معاشرے کے مفادات کے خلاف، فرد یا افراد کی پیش کردہ وجوہات پر وزن کرنے کے بعد "آپ اس کی اجازت دیں"۔ اس بیان سے کہ "خدا بہت بخشنے والا ہے" واضح طور پر اس بات کا مطلب ہے کہ متفقہ طور پر عمل میں شریک ہونے سے "چھٹی مانگنے" سے پرہیز کرنا ہر حال میں اخلاقی طور پر ترجیح دینے والا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فاضل قول کہ "میری جماعت کے علمائے کرام میں اختلاف رائے خدائی فضل کا نتیجہ ہے" میڈیا اور حزب اختلاف کی جماعتوں کے ذریعہ حکومت پر تعمیری تنقید کی بنیاد ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا "تم پر حکمران ہوں گے جو صحیح اور غلط کاموں کو انجام دیں گے۔ جو غلط کاموں کے خلاف احتجاج کرتا ہے۔ اسے ذمہ داری سے بری کر دیا جائے گا اور جو غلط کاموں کو ناپسند کرتا ہے وہ سزا سے بھی بچ جائے گا۔ لیکن جو لوگ ان کی منظوری دیتے ہیں اور ان کی پیروی کرتے ہیں ان کو سزا ہو گی۔

اچھے کاموں اور برے کاموں سے رکنے کا حکم دیں

(یہ اہلِ حق) وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار دے دیں (تو) وہ نماز (کا نظام) قائم کریں اور زکوٰۃ کی ادائیگی (کا انتظام) کریں اور (پورے معاشرے میں نیکی اور) بھلائی کا حکم کریں اور (لوگوں کو) برائی سے روک دیں، اور سب کاموں کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے (22:41)

تم بہترین اُمّت ہو جو سب لوگوں (کی رہنمائی) کے لئے ظاہر کی گئی ہے، تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو (110: 3)

برائی سے روکنے میں حکومت کا فرض عام طور پر عوام میں ظاہر ہونے والی برائی پر لاگو ہوتا ہے۔ تاہم اگر یہ پوشیدہ ہے تو حکومت کو برائی سے تعزیت کرنے کے مترادف نہیں ہونا چاہئے۔ قانون نافذ کرنے والا ادارہ برائی سے روکنے کے بہانے کی آڑ میں کسی کے گھر کے تقدس کو پامال نہیں کر سکتا ہے۔

اچھے کاموں اور ظلم سے روکنے کا حکم قرآنی تعلیمات میں آزادی کی ضمانت کے ذریعہ متوازن ہونا چاہئے۔ مثال کے طور پر پولیس کی غیر اخلاقی سرگرمیاں اور شہریوں کی جاسوسی غیر اسلامی عمل ہے۔ اچھے کاموں کو فروغ دینے اور برائی سے بچنے کے حکم نے صدیوں سے مسلم امت کو متاثر کیا ہے جو سیاسی اور اخلاقی سرگرمی کے لئے ایک دلیل پیش کرتا ہے۔

تنازعات کو حل کرنا اور انصاف، سب کے لیے

اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کیا کرو، بیشک اللہ تمہیں کیا ہی اچھی نصیحت فرماتا ہے، بیشک اللہ خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے، اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے (اہلِ حق) صاحبانِ اَمر کی، پھر اگر کسی مسئلہ میں تم باہم اختلاف کرو تو اسے (حتمی فیصلہ کے لئے) اللہ اور رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف لوٹا دو اگر تم اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو، (تو) یہی (تمہارے حق میں) بہتر اور انجام کے لحاظ سے بہت اچھا ہے (4 :58-59)

"لوگوں کے مابین انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو" سے مراد عدالتی معنوں کے ساتھ ساتھ دوسرے لوگوں کے مقاصد رویوں اور طرز عمل کا جائزہ لینا بھی ہے۔ مذکورہ بالا عبارت اسلامی ریاست کے انعقاد کے لئے انفرادی اور نظریاتی اساس کے لئے ایک اصول حکمرانی بیان کرتی ہے۔ سیاسی طاقت، خدا کی امانت ہے اور اسی کی طاقت کے تابع ہوتی ہے، جس طرح اسلامی قانون پر مشتمل احکام میں ظاہر ہوتی ہے حق خودارادیت کا اصل مالک صرف اور صرف اللہ کی ذات ہے۔

قرآن، اللہ کی عبادت کے معاشرتی نکتے پر تاکید کرتا ہے کیوں کہ یہ زمین پر اور ایسے معاشرے میں ہے کہ جہاں خدا کی حکمرانی غالب ہے۔ مسلمان اپنے آپ کو خدا کی مرضی کے مطابق انصاف پسند معاشرے کے نفاذ کے لئے پر عزم سمجھتے ہیں۔ اس میں عقائد اور اعمال شامل ہیں۔ مسلمانوں کو نہ صرف جاننا اور ماننا چاہئے بلکہ عمل اور عمل درآمد بھی کرنا چاہئے۔ مسلم کمیونٹی کو مذہبی اہمیت حاصل ہے اس بات کی علامت کے طور پر کہ اللہ نے انسانیت کو ظلم اور ناانصافی سے نجات دلانے کی اس کوشش کو برکت دی ہے۔ اس کی سیاسی صحت، ایک مسلمان کی روحانیت میں ایک مقدس مقام رکھتی ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور پہلی مسلم امت کو عملی طور پر ایسے معاشرے کی مثال دیتے ہوئے دیکھا جا سکتا ہے جو قرآن کے دیے گئے اصولوں پر انصاف کرتے ہیں

مسجد و ریاست کا اتحاد

اتحاد اور اللہ کی حکمرانی ایسے نظریات ہیں جو کہ اسلام میں محفوظ ہیں، اس کی حکمرانی مرضی اور قوانین جامع ہیں جو تمام مسلمانوں اور زندگی کے تمام پہلوؤں تک پھیلے ہوئے ہیں۔ مذہب ریاست قانون اور معاشرے کا لازمی حصہ ہے۔ عیسائیت کی طرح سیاست کسی مسلمان کی ذاتی مذہبی زندگی کے لئے خارجی نہیں ہے۔

غیر مسلموں پر اسلامی قوانین نافذ نہیں کیے جائیں گے کیونکہ اس سے قرآن کے ایک بنیادی اصول کی خلاف ورزی ہو گی: "عقیدہ کے معاملے میں کوئی جبر نہیں ہے۔" غیر مسلموں کو اپنی روایات اور تقاضوں کے مطابق اپنے اپنے قوانین کے ضابطے رکھنے کی اجازت ہے۔ مذہب اور حکومت کو الگ نہیں کیا جاتا ہے اور تمام عقائد کو نظریاتی طور پر عوامی زندگی میں شامل کیا جاتا ہے اور یوں یکساں سلوک کیا جاتا ہے۔ تمام مذاہب کو مساوی سمجھا جائے اور ان کے ماننے والوں کو مساوی حقوق دیئے جائیں۔ مذہبی اقلیتیں پوری دینی مساوات اور رواداری کے تقاضوں سے کہیں زیادہ اعزاز کے مستحق ہیں۔

امریکی تجربہ

آج کے بہت سے اسلامی معاشروں میں انسانی آزادیوں کی کمی ہے۔ اس سلسلے میں امریکہ اور کچھ یورپی ممالک اصولی طور پر نام نہاد اسلامی ممالک سے زیادہ اسلامی ہیں۔ امریکہ مذہب کی آزادی کا ایک اشارہ ہے۔ مذہب کی آزادی کا حق امریکی آئین کی پہلی ترمیم میں مجسم ہے:

"کانگریس مذہب کے قیام یا اس کے آزادانہ استعمال کی ممانعت یا آزادی اظہار رائے یا پریس یا لوگوں کے پر امن طریقے سے جمع ہونے کے حق کو روکنے کے لئے کوئی قانون نہیں بنائے گی اور شکایات کے ازالے کے لئے حکومت سے درخواست کرے گی۔" حقوقِ انسانی کا بل حکومت کو مذہب کے قیام سے منع کرتا ہے اور امریکی حکومت کو ایک مذہب کو دوسرے مذہب کی نسبت برتری دینے سے منع کیا گیا ہے۔ یہ نقطہ نظر تمام مذاہب کو عوامی زندگی سے خارج کرتا ہے اور کسی بھی مذہبی چیز کو جو کہ ذاتی زندگی سے جڑی ہے اس کو ترتیب دیتا ہے۔ تاہم عملی طور پر سیکولر نقطہ نظر ہمارے زمانے میں مذہبی آزادی کی سب سے کامیاب شکل رہی ہے۔

جمہوریت اور اسلام

انسانی معاشرے نے ترقی کی ہے یہاں پہلے لوگ خانہ جنگی کی حالت میں ہوتے تھے پھر بادشاہت کا دور چلتا رہا جہاں پر آزادی کو صرف ایک خاص طبقے تک محدود کر دیا گیا اور آخر کار جمہوری نظام آیا جس میں ہر کوئی اپنے معاملات میں آزاد ہے اسلامی حکومت اس اصول پر مبنی ہے کہ جن لوگوں پر حکومت کی جارہی ہے ان کی مرضی شامل ہو

ابتدا ہی سے پہلے پہل مسلمان جمہوریت کی ایک ابتدائی شکل پر عمل پیرا تھے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد بزرگوں اور قبائلی سرداروں نے پہلے خلیفہ کا انتخاب کیا یہ عمل جدید دور کی پارلیمانی جمہوریت کی طرح تھا۔ قرآنی حکم کے بعد **"اور اُن کا فیصلہ باہمی مشورہ سے ہوتا ہے"** (42:38) پیغمبرِ اسلام نے اپنے جانشین کا نام نہیں لیا۔

پر امن اقتدار کی منتقلی

تاریخی طور پر اسلامی حکومتوں کے پاس اقتدار کی پر امن منتقلی کے لئے ایک طریقہ کار کی کمی ہے۔ ایک عظیم المیے میں شامل تین عظیم خلیفوں — حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قتل اور ان گنت خانہ جنگی شامل ہیں کیوں کہ

وہاں پر امن طریقے سے حکمرانوں کی جگہ لینے کا کوئی عمل نہیں تھا۔ جدید جمہوریت، اقتدار کی منتقلی کا پر امن طریقہ کار مہیا کرتی ہے جس کے نتیجے میں طویل عرصے میں زیادہ مستحکم اور پر امن معاشرے پیدا ہوتے ہیں۔

جمہوریت کی شرط

فکری آزادی، ایک صحت مند جمہوری نظام کی اساس ہے۔ اس میں نظریات کو منعقد کرنے وصول کرنے اور پھیلانے کی آزادی شامل ہے۔ لوگوں کو خود حکومت کرنے کے لیے انہیں اچھی طرح سے آگاہ کرنا چاہئے۔ جمہوریت کسی بھی دوسرے انسانی ادارے کی طرح ایک کامل نظام نہیں ہے۔ ونسٹن چرچل نے ایک بار کہا تھا "جمہوریت، حکومت کی بدترین شکل ہے سوائے ان تمام شکلوں کے جو وقتاً فوقتاً آزمائی جاتی رہی ہے۔" جمہوریت کی ایک خامی یہ ہے کہ اکثریتی حکمرانی کے نتیجے میں اقلیت پر اکثریت کے ظلم وستم کا سامنا ہو سکتا ہے۔ ایک ایسا آئین جو اقلیتوں کے حقوق شہری آزادیوں اختیارات کی علیحدگی آزاد عدلیہ آزاد پریس اور مضبوط مخالفت کی حفاظت کرتا ہے حکومت کے یک نظریہ اقتدار کو روکنے کے لئے یہ تمام ضروری عناصر ہیں۔

میرٹ بمقابلہ اشرافیہ

جمہوریت دو ستونوں پر مشتمل ہے: آزادی اور مقبول خود مختاری یا خود حکومت۔ لبرٹی میں درج ذیل چیزیں شامل ہیں حکومتیں جو کام کرتی ہیں جیسے قانون کی حکمرانی کو نافذ کرنا بنیادی ڈھانچے کی فراہمی اور بنیادی خدمات انجام دینا۔ مقبول خود مختاری کا مطلب ہے کہ لوگ کس طرح طے کرتے ہیں کہ ان پر کون حکومت کرتا ہے۔ جدید جمہوریت کے تصورات "آپس میں مشاورت" اور "رضامندی سے حکومت" کے دو قرآنی حکم میں مجسم ہیں۔ بادشاہت اور آمریت اسلامی مخالف ہیں کیونکہ حکومت کی یہ شکلیں ہیں۔

36

ذوالقرنین کی مثال

جب اختتام، وسائل کا جواز پیش کرتا ہے

اور (اے حبیبِ معظّم!) یہ آپ سے ذوالقرنین کے بارے میں سوال کرتے ہیں، فرما دیجئے: میں ابھی تمہیں اس کے حال کا تذکرہ پڑھ کر سناتا ہوں، بیشک ہم نے اسے (زمانۂ قدیم میں) زمین پر اقتدار بخشا تھا اور ہم نے اس (کی سلطنت) کو تمام وسائل و اسباب سے نوازا تھا، پس وہ (مزید) اسباب کے پیچھے چل پڑا (18 :83-85)

اگر اہداف اچھے اور عمدہ ہیں اور ان کے حصول کے لیے ہم جو وسائل استعمال کرتے ہیں وہ بھی اچھے اور عمدہ ہیں تو اختتام، وسائل کا جواز پیش کرتا ہے۔ تاہم زیادہ تر لوگ کچھ بھی حاصل کرنے کے لئے اخلاقی طور پر غلط اقدامات کے عذر کے طور پر اس تصور کو استعمال کرتے ہیں۔ ذوالقرنین ایک نیک مقصد کے حصول کے لئے کبھی بھی غیر اخلاقی طریقے استعمال نہیں کرتے تھے۔

ذوالقرنین کون تھے؟

یہ نظریہ ایک طاقتور اور انصاف پسند حکمران کی خصوصیات کو بیان کرتا ہے۔ نام، ذوالقرنین یا دو سینگوں والا ایک طاقت اور عظمت کی علامت کے طور پر سمجھا جاتا ہے جو کہ قدیم مشرق وسطی میں ایک نظریہ تھا مذکورہ بالا سے، قبل از تاریخ علامت سے بہت ابتدائی زمانے سے ہی عرب واقف تھے۔ اور انہوں نے اسلام کی آمد سے بہت پہلے ہی اپنی زبان میں مہارت حاصل کر لی تھی۔

قرآن اللہ تعالیٰ پر یقین رکھنے پر زور دیتا ہے اس وجہ سے ذوالقرنین اور سکندر اعظم میں مماثلت نہ تھی، اور نہ ہی قبل از اسلام یمن کے بادشاہوں کے ساتھ. وہ تمام تاریخی شخصیات کافر تھے اور دیوتاؤں کی کثرت کی پرستش کرتے تھے جبکہ ذوالقرنین کو ایک خدا پر پختہ یقین رکھنے کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے۔ ہمیں یہ نتیجہ اخذ کرنا چاہئے کہ ذوالقرنین کا کسی تاریخ کے ساتھ کوئی لینا دینا نہیں ہے اور یہ کہ اس کا واحد مقصد عقیدہ اور اخلاقیات پر مبنی ہے۔ یہ ہمیں بتاتا ہے کہ خدا کو ماننے کے لئے دنیا سے دستبرداری لازمی نہیں ہے۔ دنیاوی زندگی اور طاقت کو روحانی صداقت سے متصادم ہونے کی ضرورت نہیں ہے جب تک کہ ہم انسان کے تمام کاموں کی عارضی نوعیت اور خدا کی طرف اپنی ذمہ داری سے آگاہ رہیں گے جو وقت اور جگہ کی ہر حد سے بالاتر ہے۔

مجرم جماعت کے لئے سزا یا ہمدردی

یہاں تک کہ وہ غروبِ آفتاب (کی سمت آبادی) کے آخری کنارے پر جا پہنچا وہاں اس نے سورج کے غروب کے منظر کو ایسے محسوس کیا جیسے وہ (کیچڑ کی طرح سیاہ رنگ) پانی کے گرم چشمہ میں ڈوب رہا ہو اور اس نے وہاں ایک قوم کو (آباد) پایا۔ ہم نے فرمایا: اے ذوالقرنین! (یہ تمہاری مرضی پر منحصر ہے) خواہ تم انہیں سزا دو یا ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو، ذوالقرنین نے کہا: جو شخص (کفر و فسق کی صورت میں) ظلم کرے گا تو ہم اسے ضرور سزا دیں گے، پھر وہ اپنے رب کی طرف لوٹایا جائے گا، پھر وہ اسے بہت ہی سخت عذاب دے گا (18 :86-87)

جب ذوالقرنین اپنی مہم کے دوران مغربی نقطہ پر پہنچے تو انہیں ایسا معلوم ہوا کہ سورج سمندر میں ڈوب رہا ہے۔ عمل کے دو ممکنہ نصاب کے درمیان انتخاب کرنے کی خدائی اجازت — سزا یا گناہ گار طبقے کے ساتھ احسان. نہ صرف یہ کہ خدا کی طرف سے انسان کو دی جانے والی آزادی کا بیان کیا گیا ہے۔ یہ حکمران یا حکومت کے لئے کھلے عام معاشرتی یا اخلاقی ترجیح کے اہم قانونی اصول کو بھی قائم کرتا ہے جس سے یہ فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ مجموعی طور پر معاشرے کی سب سے بڑی بھلائی کے لئے کیا فائدہ مند چیز ہے۔ یہ ذوالقرنین کی تمثیل کا دوسرا سبق ہے۔ آخرت میں "ناقابل برداشت مصائب" کا مطلب یہ ہے کہ آنے والی زندگی سے متعلق کسی بھی چیز کا کبھی بھی انسانی تجربے کے بارے میں تصور یا تعین نہیں کیا جاسکتا ہے۔

صداقت پوری کرنا آسان ہے

اور جو شخص ایمان لے آئے گا اور نیک عمل کرے گا تو اس کے لئے بہتر جزا ہے اور ہم (بھی) اس کے لئے اپنے احکام میں آسان بات کہیں گے، (مغرب میں فتوحات مکمل کرنے کے بعد) پھر وہ (دوسرے) راستہ پر چل پڑا (18 :88-89)

چونکہ نیک سلوک کی انسان سے معمولی توقع کی جاسکتی ہے لہذا اس سے متعلق قوانین بہت زیادہ تقاضا نہیں کریں گے جو اس تمثیل سے اخذ کرنے کا ایک اور سبق ہے۔

خدا کی تخلیقات کو خراب کرنے کی ممانعت

یہاں تک کہ وہ طلوعِ آفتاب (کی سمت آبادی) کے آخری کنارے پر جا پہنچا، وہاں اس نے سورج (کے طلوع کے منظر) کو ایسے محسوس کیا (جیسے) سورج (زمین کے اس خطہ پر آباد) ایک قوم پر اُبھر رہا ہو جس کے لئے ہم نے سورج سے (بچاؤ کی خاطر) کوئی حجاب تک نہیں بنایا تھا (یعنی وہ لوگ بغیر لباس اور مکان کے غاروں میں رہتے تھے)، واقعہ اسی طرح ہے، اور جو کچھ اس کے پاس تھا ہم نے اپنے علم سے اس کا احاطہ کر لیا ہے، (مشرق میں فتوحات مکمل کرنے کے بعد) پھر وہ (ایک اور) راستہ پر چل پڑا (18 :90-92)

ذوالقرنین اپنے اس سفر کے مشرقی نقطہ پر چلے اور ان لوگوں کی قدیم قدرتی حالت پائی جن کو دھوپ سے بچنے کے لئے کپڑوں کی ضرورت نہیں تھی۔ تقلید کی حقیقت یہ ہے کہ ذولقرنین نے انھیں اسی طرح چھوڑ دیا تھا جس طرح انھوں نے انہیں پایا تھا اور انہیں ذہن میں رکھنا تھا کہ وہ ان کے طرز

زندگی کو پریشان نہ کریں اور انہیں تکلیف نہ پہنچائیں۔ اس کا عزم "خدا کی تخلیق کو بدعنوان یا تبدیل کرنا" نہیں تھا جو اس تمثیل سے اخذ ہونے والا مزید اخلاقی سبق ہے۔

یاجوج اور ماجوج

" یہاں تک کہ وہ (ایک مقام پر) دو پہاڑوں کے درمیان جا پہنچا اس نے ان پہاڑوں کے پیچھے ایک ایسی قوم کو آباد پایا جو (کسی کی) بات نہیں سمجھ سکتے تھے، انہوں نے کہا: اے ذوالقرنین! بیشک یاجوج اور ماجوج نے زمین میں فساد بپا کر رکھا ہے تو کیا ہم آپ کے لئے اس (شرط) پر کچھ مالِ (خراج) مقرر کر دیں کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک بلند دیوار بنا دیں("18 :93-94)

یاجوج اور ماجوج کون تھے؟ یاجوج اور ماجوج وہ شکل ہے جس میں ان ناموں نے (عربی یاجوج اور ماجوج میں) بائبل میں ان کے مخصوص مشکوک حوالوں کی بنیاد پر تمام یورپی زبانوں میں ایک مقام حاصل کیا ہے (جینیسس 10:12 تواریخ 1 5:1 ایزیکیل 38:2 اور 39:6 اور مکاشفہ 20:8)۔ بیشتر بعد از کلاسیکل تبصرہ نگار ان قبائل کی شناخت منگولوں اور تاتاروں سے کرتے ہیں۔ اصطلاحات، یاجوج اور ماجوج بھی قرآن مجید میں مکمل طور پر تخیلاتی اصطلاحات میں استعمال ہوئے ہیں جن کا ذکر کرتے ہوئے تباہی کا ایک سلسلہ ہے جو قیامت کے آنے سے پہلے ہی انسان کی تہذیب کی مکمل تباہی کا سبب بنتا ہے۔

تاریخی واقعہ کی پیش گوئی

کچھ لوگ اس کو کسی خاص تاریخی واقعے کی پیش گوئی کے طور پر سمجھتے ہیں یعنی یاجوج اور ماجوج کے وحشی قبائل کی مستقبل میں پیشرفت جن کا تصور منگولوں اور تاتاروں سے ایک جیسی ہے۔ یہ شناخت ایک اچھی طرح سے تصدیق شدہ روایت پر مبنی ہے جو ہمیں بتاتی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک پیشن گوئی کا خواب دیکھا جس پر انہوں نے پریشانی کے اظہار کے ساتھ فرمایا: "خدا کے سوا کوئی معبود نہیں! عربوں پر افسوس اس بدبختی سے جو قریب آرہا ہے: آج یاجوج اور ماجوج کے پہلوؤں میں تھوڑا سا فاصلہ کھل گیا ہے"۔ مسلمان اس خواب میں تیرہویں صدی میں منگول کے عظیم حملے کی پیش گوئی کرنے کی طرف مائل ہیں جس نے عباسی سلطنت اور عربوں کی سیاسی طاقت کو ختم کر دیا۔

ایک دیوار کھڑی کرنا

(ذوالقرنین نے) کہا: مجھے میرے رب نے اس بارے میں جو اختیار دیا ہے (وہ) بہتر ہے، تم اپنے زورِ بازو (یعنی محنت و مشقت) سے میری مدد کرو، میں تمہارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط دیوار بنا دوں گا، تم مجھے لوہے کے بڑے بڑے ٹکڑے لا دو، یہاں تک کہ جب اس نے (وہ لوہے کی دیوار پہاڑوں کی) دونوں چوٹیوں کے درمیان برابر کر دی تو کہنے لگا: (اب آگ لگا کر اسے) دھونکو، یہاں تک کہ جب اس نے اس (لوہے) کو (دھونک دھونک کر) آگ بنا ڈالا تو کہنے لگا: میرے پاس لاؤ (اب) میں اس پر پگھلا ہوا تانبا ڈالوں گا، پھر ان (یاجوج اور ماجوج) میں نہ اتنی طاقت تھی کہ اس پر چڑھ سکیں اور نہ اتنی قدرت پا سکے کہ اس میں سوراخ کر دیں(18 :95-97)

"میرے آقا نے مجھے اتنے محفوظ طریقے سے قائم کیا ہے" کے اس جملے سے مراد طاقت اور دولت کے ساتھ ساتھ خدا کی ہدایت کو ذولقرنین کو عطا کیا گیا ہے۔(جلد سات دیکھیں "یاجوج ماجوج پیشرفت، آخری قیامت کی نشانی کے طور پر۔")

غیر اخلاقی قیادت

طاقتور لوگ، بہت بڑے گناہ گاروں کے طور پر

اس شخص کی مانند ہو سکتا ہے جس کا حال یہ ہو کہ (وہ جہالت اور گمراہی کے) اندھیروں میں (اس طرح گھرا) پڑا ہے کہ اس سے نکل ہی نہیں سکتا۔ اسی طرح کافروں کے لئے ان کے وہ اعمال (ان کی نظروں میں) خوش نما دکھائے جاتے ہیں جو وہ انجام دیتے رہتے ہیں، اور اسی طرح ہم نے ہر بستی میں وڈیروں (اور رئیسوں) کو وہاں کے جرائم کا سرغنہ بنایا تا کہ وہ اس (بستی) میں مکاریاں کریں، اور وہ (حقیقت میں) اپنی جانوں کے سوا کسی (اور) سے فریب نہیں کر رہے اور وہ (اس کے انجام بد کا) شعور نہیں رکھتے(6 :122 - 123)

چونکہ ان لوگوں کی اہمیت کی وجہ سے باقی لوگ انہیں تنقید کا نشانہ نہیں بناتے لہذا "عظیم لوگ" دوسرے لوگوں کے مقابلے میں اپنے رویوں کے اخلاقی پہلوؤں پر سوال کرنے کے صرف مائل نہیں ہوتے ہیں اور اس کے نتیجے میں خود انصافی ہی اکثر ان کو سنگین خطرے کا سبب لگتی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "کوئی بھی شخص جسے اللہ نے کچھ لوگوں پر حکومت کرنے کا اختیار دیا ہے اگر وہ حقیقی طور پر ان کی دیکھ بھال نہیں کرتا ہے اسے کبھی جنت کی خوشبو بھی محسوس نہیں ہو گی۔" قرآن مجید میں فرعون کی برائیاں غیر اخلاقی قیادت کی عمدہ مثال ہیں۔

زمین کو وراثت میں لینے کا حق

اللہ نے ایسے لوگوں سے وعدہ فرمایا ہے (جس کا ایفا اور تعمیل امت پر لازم ہے) جو تم میں سے ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے وہ ضرور انہی کو زمین میں خلافت (یعنی امانتِ اقتدار کا حق) عطا فرمائے گا جیسا کہ اس نے ان لوگوں کو (حقِ) حکومت بخشا تھا جو ان سے پہلے تھے اور ان کے لئے ان کے دین کو جسے اس نے ان کے لئے پسند فرمایا ہے (غلبہ و اقتدار کے ذریعہ) مضبوط و مستحکم فرما دے گا اور وہ ضرور (اس تمکّن کے باعث) ان کے پچھلے خوف کو (جو ان کی سیاسی، معاشی اور سماجی کمزوری کی وجہ سے تھا) ان کے لئے امن و حفاظت کی حالت سے بدل دے گا، وہ (بے خوف ہو کر) میری عبادت کریں گے میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے (یعنی صرف میرے حکم اور نظام کے تابع رہیں گے)، اور جس نے اس کے بعد ناشکری (یعنی میرے احکام سے انحراف و انکار) کو اختیار کیا تو وہی لوگ فاسق (و نافرمان) ہوں گے، اور تم نماز (کے نظام) کو قائم رکھو اور زکوٰۃ کی ادائیگی (کا انتظام) کرتے رہو اور رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی (مکمل) اطاعت بجا لاؤ تا کہ تم پر رحم فرمایا جائے (یعنی غلبہ و اقتدار، استحکام اور امن و حفاظت کی نعمتوں کو برقرار رکھا جائے)، اور یہ خیال ہرگز نہ کرنا کہ انکار و ناشکری کرنے والے لوگ زمین میں (اپنے ہلاک کئے جانے سے اللہ کو) عاجز کر دیں گے، اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے، اور وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے(24 :55 - 57)

اللہ نیک لوگوں کو طاقت اور سلامتی اور ان کی دنیاوی ضروریات کو پورا کرنے کی صلاحیت کے قابل بنائے گا۔ اللہ کے "وعدہ" کے بارے میں اس قرآنی حوالہ میں خدا کے قدرتی قانون کا ایک متناسب اشارہ ہے، جو کہ قوموں کے اخلاقی خصوصیات سے جڑے، زوال اور عروج کی طرف اشارہ کرتا ہے، جب مذہب مضبوط ہوتا ہے تو پیروکاروں کا ایمان بھی بڑھتا ہے اور اس دنیا میں اخلاقی اقدار کو بھی فروغ ملتا ہے۔ امن (سیکیورٹی کا احساس) کی اصطلاح نہ صرف جسمانی سلامتی بلکہ خوف سے آزاد ہونے کی علامت بھی ہے۔ مذکورہ بالا شق سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ جب بھی کوئی مذہبی تحریک شروع کی گئی تو ان کو شروعات میں کمزوری اور بدامنی کا سامنا کرنا پڑا، یہ کسی فرد کی اندرونی سلامتی کا وعدہ بھی کرتا ہے جو لوگ صرف اللہ پر یقین رکھتے ہیں تو انہیں کسی چیز کا ڈر نہیں ہوتا. اور خدا پر یقین رکھنے سے ان کی قسمت کو تقویت ملتی ہے اس تناظر میں "واجبات واجب الادا" (ازکوۃ) کے مخصوص ذکر کا مطلب یہ ہے کے اپنے سچے ایمان میں سے خود غرضی کا عنصر نکال دیا جائے

37

ظالموں اور جابر حکمرانوں کے لئے یوم قیامت

رہنماؤں اور ملعون پیروکاروں کے مابین بات چیت

اور (روزِ محشر) اللہ کے سامنے سب (چھوٹے بڑے) حاضر ہوں گے تو (پیروی کرنے والے) کمزور لوگ (طاقتور) متکبروں سے کہیں گے: ہم تو (عمر بھر) تمہارے تابع رہے تو کیا تم اللہ کے عذاب سے بھی ہمیں کسی قدر بچا سکتے ہو؟ وہ (اُمراء اپنے پیچھے لگنے والے غریبوں سے) کہیں گے: اگر اللہ ہمیں ہدایت کرتا تو ہم تمہیں بھی ضرور ہدایت کی راہ دکھاتے (ہم خود بھی گمراہ تھے سو تمہیں بھی گمراہ کرتے رہے)۔ ہم پر برابر ہے خواہ (آج) ہم آہ و زاری کریں یا صبر کریں ہمارے لئے کوئی راہِ فرار نہیں ہے (14:21)

توبہ کرنے میں بہت دیر ہو چکی ہے۔ مذکورہ علامتی مکالمہ ان لوگوں میں ہوتا ہے جنہوں نے اخلاقی کمزوری اور خود غرضی کے سبب گناہ کیا تھا اور نام نہاد "قائدینِ فکر" کی افضل حکمت پر بھروسہ کیا تھا۔ انہوں نے اس ترتیب میں بیان کیا ہے کہ "ان کے تکبر میں فخر ہوا" کیونکہ انہوں نے خدا کے پیغامات پر توجہ دینے سے انکار کر دیا۔

بات میں ہیرا پھیری

اور اگر آپ دیکھیں جب ظالم لوگ اپنے رب کے حضور کھڑے کئے جائیں گے (تو کیا منظر ہو گا) کہ ان میں سے ہر ایک (اپنی) بات پھیر کر دوسرے پر ڈال رہا ہو گا، کمزور لوگ متکبّروں سے کہیں گے: اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور ایمان لے آتے، متکبّر لوگ کمزوروں سے کہیں گے: کیا ہم نے تمہیں ہدایت سے روکا اس کے بعد کہ وہ تمہارے پاس آچکی تھی، بلکہ تم خود ہی مُجرم تھے (34:31-32)

غلط دلائل دینا

پھر کمزور لوگ متکبّروں سے کہیں گے: بلکہ (تمہارے) رات دن کے مکر ہی نے (ہمیں روکا تھا) جب تم ہمیں حکم دیتے تھے کہ ہم اللہ سے کفر کریں اور ہم اس کے لئے شریک ٹھہرائیں (34:33)

متکبر رہنماؤں کا محاسبہ

اور جس دن (اللہ) انہیں پکارے گا تو فرمائے گا کہ میرے وہ شریک کہاں ہیں جنہیں تم (معبود) خیال کیا کرتے تھے، وہ لوگ جن پر (عذاب کا) فرمان ثابت ہو چکا کہیں گے: اے ہمارے رب! یہی وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے گمراہ کیا تھا ہم نے انہیں (اسی طرح) گمراہ کیا تھا جس طرح ہم (خود) گمراہ ہوئے تھے، ہم ان سے بیزاری ظاہر کرتے ہوئے تیری طرف متوجہ ہوتے ہیں اور وہ (درحقیقت) ہماری پرستش نہیں کرتے تھے (بلکہ اپنی نفسانی خواہشات کے پجاری تھے)(28 :62-63)

ہم نے ان کو گمراہی میں مبتلا نہیں کیا اس لئے کہ ان کے پیش روؤں نے انہیں گمراہ کر دیا تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جھوٹے۔۔لیکن تقریبا۔۔ مستحق اقدار اور تصورات سے انسان کا وابستہ ہونا اکثر معاشرتی تسلسل کا معاملہ ہوتا ہے کیوں کہ ان کا وقار وقتی ہوتا ہے اور ہر نسل آنکھیں بند کر کے اپنے خیالات کی پیروی کرتی ہے۔ یہ حوالہ اخلاقی یا فکری تجویز کو قبول کرنے کی اخلاقی ناقابل قبولیت کی طرف اشارہ کرتا ہے کیونکہ اس کے علاوہ کسی اور بنیاد پر بھی اس کو اس قابل نہیں رکھا گیا تھا کہ اس کو پچھلی نسلوں نے بھی جائز قرار دیا تھا۔

اور (ان سے) کہا جائے گا: تم اپنے (خود ساختہ) شریکوں کو بلاؤ، سو وہ انہیں پکاریں گے پس وہ (شریک) انہیں کوئی جواب نہ دیں گے اور وہ لوگ عذاب کو دیکھ لیں گے، کاش! وہ (دنیا میں) راہِ ہدایت پا چکے ہوتے(28:64)

جیسا کہ تسلسل ظاہر کرتا ہے مخاطب افراد رہنما جیسے دانشور سیاسی اور مذہبی رہنما ہیں جن کو معاشرے کے معاشرتی سلوک اور اخلاقی تشخیص کے غلط معیار طے کرنا تھے۔ اور چونکہ وہ بنیادی طور پر اس غلط سمت کے ذمہ دار ہیں جو ان کے پیروکاروں نے لیا ہے لہذا وہ آنے والی زندگی میں سب سے پہلے مصائب کا شکار ہوں گے۔

ظالم اور غاصبوں کے لئے تکلیف دہ اذیتیں

دوسرا موقع تلاش کرنا

بس (ملامت و گرفت کی) راہ صرف اُن کے خلاف ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین میں ناحق سرکشی و فساد پھیلاتے ہیں، ایسے ہی لوگوں کے لئے دردناک عذاب ہے(42:42)

اور جسے اللہ گمراہ ٹھہرا دے تو اُس کے لئے اُس کے بعد کوئی کارساز نہیں ہوتا، اور آپ ظالموں کو دیکھیں گے کہ جب وہ عذابِ (آخرت) دیکھ لیں گے (تو) کہیں گے: کیا (دنیا میں) پلٹ جانے کی کوئی سبیل ہے؟، اور آپ انہیں دیکھیں گے کہ وہ دوزخ پر ذلّت اور خوف کے ساتھ سر جھکائے ہوئے پیش کئے جائیں گے (اسے چوری چوری) چھپی نگاہوں سے دیکھتے ہوں گے، اور ایمان والے کہیں گے: بیشک نقصان اٹھانے والے وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنی جانوں کو اور اپنے اہل و عیال کو قیامت کے دن خسارے میں ڈال دیا، یاد رکھو! بیشک ظالم لوگ دائمی عذاب میں (مبتلا) رہیں گے (42:44ء45)

گردن کے گرد طوق

اور وہ (ایک دوسرے سے) ندامت چھپائیں گے جب وہ عذاب دیکھ لیں گے اور ہم کافروں کی گردنوں میں طوق ڈال دیں گے، اور انہیں اُن کے کئے کا ہی بدلہ دیا جائے گا(34:33)

یہ "طوق" جو ان گنہگاروں نے زندگی میں "اپنے گریبان میں" اٹھا رکھے ہیں اور یوم قیامت رکھیں گے وہ ان کی روحوں کو جھوٹی اقدار کے غلام بنانے اور جو تکالیف ان کو پہنچیں گی اس کے لئے ایک استعارہ ہے۔

دیرپا تکلیف

اور اُن (کافروں) کے لئے کوئی حمایتی نہیں ہوں گے جو اللہ کے مقابل اُن کی مدد کر سکیں، اور جسے اللہ گمراہ ٹھہرا دیتا ہے تو اس کے لئے (ہدایت کی) کوئی راہ نہیں رہتی، تم لوگ اپنے رب کا حکم قبول کر لو قبل اِس کے کہ وہ دن آجائے جو اللہ کی طرف سے ٹلنے والا نہیں ہے، نہ تمہارے لئے اُس دن کوئی جائے پناہ ہو گی اور نہ تمہارے لئے کوئی جائے انکار(42 :46-47)

اس حوالہ کا مطلب بنیادی طور پر ظالم اور جابر اور "ان کے پیروکار" ہے۔ اگرچہ یہ ان لوگوں کے لئے ایک حوالہ ہے "جو دوسرے لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین پر اشتعال انگیزی کرتے ہیں حق کے بر خلاف گناہ کرتے ہیں" اصطلاح کا مفہوم زیادہ عام ہے اور یہ ہر طرح کے دانستہ قصورواروں پر لاگو ہوتا ہے۔ مذکورہ بالا جملے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہر طرح کی بدکاری خاص طور پر دوسروں کے ظلم وستم کے نتیجے میں روحانی تکلیف ہوتی ہے اور اس کے مرتکبین اور ان کے پیروکاروں کی خود تباہی ہوتی ہے۔